جلد ۷۹ | جنوری، فروری ۱۹۹۵ء • | شمارہ ۔ ۱

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

اسلام مذہبی آزادی اور رواداری کا مذہب ہے

تفسیری نوٹ حضرت مولانا نور الدین

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

لا اکراہ فی الدین: ایک انبیاء کی راہ ہوتی ہے ایک بادشاہوں کی۔ انبیاء کا یہ قاعدہ نہیں ہوتا کہ وہ ظلم و جور و تعدی سے کام لیں۔ ہاں بادشاہ جبرو اکراہ سے کام لیتے ہیں۔ پولیس اس وقت گرفت کر سکتی ہے جب کوئی گناہ کا ارتکاب کر دے۔ مگر مذہب گناہ کے ارادہ کو بھی روکتا ہے۔ پس جب مذہب کی حکومت کو آدمی مان لیتا ہے تو پولیس کی حکومت اس کی پرہیز گاری کے لئے ضروری نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبرو اکراہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ پس کسی کو جبر سے مت داخل کرو کیونکہ جو دل سے مومن نہیں ہوا وہ ضرور منافق ہے۔ شریعت نے منافق اور کافر کو ایک ہی رسی میں جکڑا ہے۔ غلطی سے ایسی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ بھلا خیال تو کرو اگر اسلام میں جبر جائز ہوتا تو ہندوستان میں اتنے سو سال حکومت رہی پھر یہ ہزاروں برسوں کے مندر، شوالے اور پستکیں کیوں موجود پائی جاتیں؟

عالمگیر کو بھی الزام دیتے ہیں کہ وہ ظالم تھا اور بالجبر مسلمان کرتا تھا۔ یہ کیسی بیہودہ بات ہے۔ اس کی فوج کا سپہ سالار ایک ہندو تھا۔ بڑا حصہ اس کی عمر کا اپنے بھائیوں سے لڑتے گزرا۔ اس کی موت بھی تاناشاہ کے مقابل میں ہوئی۔ پھر اسلام بادشاہوں کے افعال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ مسلمانوں نے یہی غلطی کی کہ معترضین کے مفتریات کو تسلیم کر لیا حالانکہ اسلام دلی محبت و اخلاق سے حق بات ماننے کا نام ہے۔ اسی لئے اسلام میں جبر نہیں۔ یہ آیت ضرور یاد رکھنی چاہیئے۔ اسلام میں ہرگز اکراہ نہیں۔ چنانچہ پارہ گیارہ رکوع ۱۰ میں فرماتا ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس: ۱۰۰)

ہمیں کتب مغازی میں (خواہ کیسی ہی ناقابل وثوق کیوں نہ ہوں) کوئی ایک بھی ایسی مثال نظر نہیں آتی کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص، کسی خاندان، کسی قبیلے کو بزور شمشیر و اجبار مسلمان کیا ہو۔ سرولیم میور کا فقرہ کیسا صاف صاف بتاتا ہے کہ شہر مدینہ کے ہزاروں مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص بھی بزور و اکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا گیا اور مکہ میں بھی آنحضرتؐ کا یہی رویہ اور سلوک رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں، اسلام کے مخالفوں نے اکثر یہ طعن کیا ہے کہ آپؐ کا دین بزور شمشیر شائع ہوا ہے اور تلوار ہی کے زور سے قائم رہا۔ جن عیسائی مورخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ یعنی لائف لکھی ہے آپؐ پر طعن کرنا انہوں نے اپنا شعار کر لیا ہے

اسلام میں شرط ہے کہ آدمی صدق دل سے باری تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی معبودیت اور اس کے رسولوں کی رسالت وغیرہ وغیرہ ضروریات دین پر یقین لاوے تب مسلمان کہلاوے۔ اور ظاہر ہے کہ دلی یقین، جبرو اکراہ سے کبھی ممکن نہیں ہے۔ میں بڑی جرات سے کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام اور ان کے راشد جانشینوں کے زمانہ میں کوئی شخص جبر اور اکراہ سے مسلمان نہیں بنایا گیا بلکہ محمود غزنوی اور عالمگیر کے زمانہ میں بھی کوئی شخص عاقل و بالغ جبر سے مسلمان نہیں کیا گیا۔ دنیا میں تاریخ موجود ہے۔ صحیح تاریخ سے اس الزام کو ثابت کیجئے۔ میں نے زمانہ نبویؐ اور خلافت راشدہ کے وقت اور محمود اور عالمگیر کی تاریخ کو اچھی طرح دیکھ بھال کر یہ دعویٰ کیا ہے۔ زمانہ رسالت مآبؐ میں اور خلافت راشدہ میں صلح اور معاہدہ امن کے بعد کل مذاہب کے لوگ مذہبی آزادی حاصل کر لیتے تھے۔ خیبر کے یہود، بحرین اور غسان کے عیسائی، حضرت خاتم الانبیاءؐ

کے اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے وقت شام کے یہود اور عیسائی اسلام کی رعایا تھے اور اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں بالکل آزاد تھے۔ عالمگیر کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہندوستان کے پرانے باشندے اپنی بت پرستی پر قائم دکھلائی دیتے۔ اگر عالمگیری لڑائیوں سے اسلام پر الزام ہے تو عالمگیر نے تاناشاہ سے جو ایک سید تھا دکن کے ملک میں جنگ کی۔ پھر اپنے مسلمان باپ اور بھائیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ مخفی نہیں۔ پس عالمگیر کی جنگ مذہبی جنگ کیوں خیال کی جاتی ہے؟ عالمگیر نے کبھی کسی ہندو کو تلوار اس سبب سے نہیں لگائی کہ وہ ہندو تھا اور کبھی اس نے زبردستی ان کو مسلمان نہیں کیا۔ ان کی مذہبی عبادات اور رسومات جو قدیم سے چلی آتی تھیں ان کو نہیں روکا۔ محمود کی نسبت کہیں تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اشاعت اسلام اور دعوت اسلام میں ہمت صرف کی ہو۔ گجرات میں اتنے دنوں تک پڑا رہا مگر ایک ہندو کو مسلمان نہ بنایا۔ اپنے بھائی مسلمان امیر اسمٰعیل سے جنگ کی۔ کیا وہ لڑائی بھائی کو مسلمان بنانے کے لئے تھی؟ اور ہند کے حملے تو راجہ جے پال نے خود کرائے جس نے محمود سے لڑنے کی ابتدا کی حالانکہ محمود کا تو یہ منشاء تھا کہ تاتار کے بلاد کو فتح کرے نہ ہند کو۔

(حقائق الفرقان جلد اول ص ص ۳۹۱، ۴۰۵، ۴۰۷)

اخبار کا تراشہ

پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا۔ تحریک پاکستان چلانے والوں نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کے حقوق کو غیر مسلم اکثریت پامال کر رہی ہے۔ اور مسلمانوں کی سلامتی اور اقتصادی ترقی کیلئے ایک علیحدہ وطن کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے۔ برطانوی حکومت، آل انڈیا کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مابین ایک سیاسی مفاہمت کی بنیاد پر برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ مملکت پاکستان میں غیر مسلم خاصی تعداد میں رہ گئے تھے۔ لہٰذا ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں حکومتی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان فرمایا تھا: "آپ ماضی کو بدل دیں۔ اکٹھے کام کریں۔ آپ میں سے ہر ایک اس ریاست کا ایک شہری ہے جس کے حقوق، مراعات اور ذمہ داریاں مساوی ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس کا کس جماعت سے تعلق ہے اور اس کا رنگ کیا ہے ذات اور مذہب کیا ہے۔ اس جذبے کے ساتھ کام کریں گے تو آپ ترقی کر سکیں گے جس کی انتہا نہیں ہوگی۔ میں اس پر جتنا بھی زور دوں کم ہے کہ ہمیں اس جذبے کے ساتھ کام کرنا ہو گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثریت اور اقلیت، ہندو جماعت اور مسلمان جماعت کی تعریفیں اسلئے ختم ہو جائیں گی کہ بطور مسلمان بھی پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ موجود ہیں اور ہندوؤں میں بھی برہمن، ویش، کھتری اور بنگالی و مدراسی پائے جاتے ہیں۔ آپ آزاد ہیں کہ اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جائیں۔ آپ کسی بھی مذہب، ذات یا فرقے سے تعلق رکھیں اس کا ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اس بنیادی اصول سے ابتدا کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ریاست کے شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں۔ اب میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے نصب العین کے طور پر یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ وقت گزرنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہندو ہندو نہیں رہے گا۔ مسلمان، مسلمان نہیں رہے گا۔ مذہبی معنوں میں نہیں کیونکہ مذہبی عقیدہ تو ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ بلکہ سیاسی معنوں میں ایک ریاست کے شہری کے طور پر۔"

بابائے قومؒ کے ان ارشادات کو بھلا دیا گیا۔ عقائد کے فرق کو ابھارا گیا۔ حقوق کے معاملات میں مساوات کے زریں اصول کو فراموش کر دیا گیا۔ ان حماقتوں کا پہلا تباہ کن نتیجہ یہ نکلا کہ صرف چوبیس برس میں پاکستان ٹوٹ گیا اور اس کا مشرقی بازو کٹ گیا۔ پھر بھی عقل نہیں آئی۔ حکمران طبقوں نے محض اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر لڑانے بھڑانے کی پالیسی جاری رکھی۔ لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تنازعے پیدا کئے اور ایسے تنازعوں کو پروان چڑھانے کے لئے نت نئی تدبیریں سوچی گئیں۔" (اخبار جہاں، ۳۱ اکتوبر۔ ۶ نومبر ۱۹۹۴، ص ۱۰)

نقد و نظر

توہین نبی صلعم

انگریزی روزنامہ "نیوز" مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں ایک مضمون عنوان بالا پر جناب پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے رقم فرمایا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی اور مذہبی جماعت کے سرکردہ رکن اور فرقہ بریلوی کے جید عالم ہیں۔ آپ نے اپنے مضمون کی ابتدا میں یہ شکوہ کیا ہے کہ ملک کے آزاد اور روشن خیال لوگ ملک میں مذہبی رواداری کے حامی اور جبری قوانین کے سخت مخالف ہیں یعنی ان کا یہ کہنا ہے کہ ملک کے آزاد اور روشن خیال لوگ ملک میں مذہبی رواداری کے حامی اور جبری قوانین کے سخت مخالف ہیں۔ یعنی ان کا یہ کہنا ہے کہ مسلمانوں کو توہین رسالت کے قانون پر زور نہیں دینا چاہیے کیونکہ اس سے اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے مابین اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور وہ عالم اسلام میں احیاء اسلام کی تحریکات کو مغربی طاقتوں سے تصادم قرار دیتے ہیں جس کے باعث مسلمان بہت بڑے خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں مغرب سے مالی اور ٹیکنیکی امداد نہ ملنے کا اندیشہ ہے۔ تعلیم یافتہ ماہرین یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ ہمیں دنیا کے سامنے اسلام کی روشن اور فراخ قدروں کو پیش کرنا چاہیے اور اسکے اقتصادی نظام کی برتری سرمایا دارانہ نظام پر قائم کرنی چاہیے۔ ان کی رائے میں اسلام کی حالیہ بھیانک تصویر کی تمام تر ذمہ داری مسلمان فرمانرواوں اور بااثر شخصیات کے کردار پر پڑتی ہے۔ ایسی صورت حال کے پیدا کرنے میں علماء کی عصبیت اور اقلیتوں اور صنف نازک پر جبرو تشدد کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں انسان کی دنیوی اور اخروی حیات کی رہنمائی کیلئے مکمل قوانین موجود ہیں۔ اور جملہ ادیان عالم میں اعلے ترین رواداری کا علمبردار ہے اور دنیا میں صرف یہی ایک دین ہے جو اسلامی حدود سے باہر نکل کر جملہ اقوام عالم کو متحد و متفق کرنے کے لیئے ایک مرکز پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتا اور عالمی سطح پر باہم بھائی چارہ کا پیغام دیتا ہے۔ اور اس مقصد کے لیئے اسلام نے ٹھوس بنیادیں قائم کی ہے کہ اس نے ملت اسلامیہ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہر قوم کے مذہبی پیشوا کا ایسا ہی احترام کرے جیسا وہ اپنے پیشوا حضرت نبی رحمت صلعم کا کرتی ہے۔ بلکہ یہانتک فرما دیا ہے کہ کسی گذشتہ نبی کے انکار سے وہ خود اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیگی۔ یہ وہ زرین اصول ہے جس سے کوئی عقل سلیم رکھنے والا غیر مسلم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اسلام کی یہ روشن اور فراخ دلانہ تعلیم دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی ان پاک اور روشن خصوصیات کو عالمی سطح پر پیش ہی نہیں کرتے اور غیر مسلموں کے ہاں عام تاثر یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کا لب لباب صرف جبرو تشدد اور کشت و خون ہے اور یہ تلوار کے زور پر پھیلایا گیا ہے۔ آجکل کی احیائی تحریکات خود جبر اور طاقت کا استعمال اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر ضروری اور ناگزیر خیال کرتی ہیں اور ان کا یہ رویہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کوئی مسلمان کسی نبی اور

رسول کی توہین کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ تو ہر نبی اور رسول کی توقیر اپنے ایمان کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ اسی طرح جو غیر مسلم اقلیتیں ہمارے ملک میں آباد ہیں اور وہ پاکستانی شہری ہیں۔ ان کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ وہ ہمارے ہادی برحق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ہمیشہ ملحوظ نظر رکھیں اور کوئی کلمہ تخفیف اپنے منہ پر نہ لائیں جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو۔ اس سلسلہ میں ہمارا ذاتی مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی اقلیتیں مسلمانوں کے جذبات سے بخوبی آگاہ ہیں اور توہین رسالت کا ارتکاب کرنے کی کبھی جرات نہیں کرتیں۔ بااین ہمہ علماء کے پیہم اصرار پر توہین رسالت کا قانون قومی اسمبلی نے منظور کر لیا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں بڑے ہولناک واقعات ظہور پذیر ہوئے اور ان سے اسلامی عظمت کو بہت ٹھیس پہنچی ہے۔ اگر محترم شاہ فرید الحق صاحب اس قانون کے غلط استعمال کا سدباب کرنے کی کوئی معقول اور موثر تجاویز فرماتے تو ان کا بہت بڑا احسان ہوتا۔ ایک غیر مسلم پر توہین رسالتؐ کا الزام لگتا ہے وہ عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ عدالت اسے الزام کا حتمی اور قابل وثوق ثبوت نہ پا کر بری کر دیتی ہے۔ وہ بری ہو کر جب باہر نکلتا ہے، تو کوئی من چلا اسکو قتل کر دیتا ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ آیا اسلام کسی شخص واحد کو حکومت اور عدالت کی موجودگی میں ایسے بے گناہ شخص کو قتل کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہر انصاف پسند شخص اس من چلے آدمی کے مجرمانہ فعل کی نہ صرف مذمت کریگا۔ بلکہ اسے عبرتناک سزا دینے کا مطالبہ بھی حکومت سے کریگا۔ چند ماہ گذرے گوجرانوالہ شہر میں ایک حافظ قرآن کے خلاف پڑوسیوں نے الزام لگایا کہ اس نے قرآن شریف کے کچھ پارے نذر آتش کر دیے ہیں۔ یہ خبر آگ کی طرح فوراً شہر میں پھیل گئی اور لوگ ہجوم کر کے اس شخص کے گھر آ دھمکے۔ اسکو گھر سے کھینچ کر باہر نکالا اور بے تحاشہ مار مار کر جان سے مار دیا۔ اس پر بھی ان غیور اور مجاہد مسلمانوں کا غصہ فرو نہ ہوا۔ بلکہ اسکی لاش کو موٹر سائیکل کے پیچھے باندھ کر بازاروں میں اچھی طرح گھسیٹا۔ مارنے والے غازی بن گئے اور مرنے والا جہنمی ہو گیا اور حکومت تماشائی بن کے رہ گئی۔ کیا تحقیقات ہونی تھی اور کس کی ہونی تھی اور کس نے کرنی تھی۔ ایسے ہولناک اور پر تشدد واقعات دیکھ کر اگر سنجیدہ اور فہمیدہ طبقہ جبرو تشدد کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو علماء کا گروہ انہیں آزاد خیال اور مذہب سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیتا ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ فراخ اور حریت پسند ہے محض زبانی جمع خرچ ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اسلام کا جو عملی نقشہ دیکھنے میں ملتا ہے اس میں انتہائی تنگ نظری، تعصب جبر اور تشدد بہت نمایاں طور پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ خود بین الفرقی اختلافات باہم مخاصمت اور کشت و خون کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ علماء کے اندر ایک دوسرے کے خلاف اسقدر نفرت اور عداوت پائی جاتی ہے کہ سوائے حج کے موقع کے وہ اپنے میں سے کسی ایک عالم کی اقتدا میں نماز تک پڑھنے کے روادار نہیں ہوتے۔ قرآن شریف نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مگر ہمارے علماء اور انکے ہمنوا آپس میں بدترین دشمن ہیں۔ جب آپس میں یہ سلوک ہو رہا ہے تو غیر مسلم اقلیتیں کس حسن سلوک کی توقع رکھ سکتے ہیں۔

محترم شاہ فرید الحق صاحب نے مضمون کی ابتدا میں فرمایا ہے کہ اسلامی فقہ میں توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑا سنگین معاملہ ہے اور اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع پایا جاتا ہے اور ہر اسلامی مکتبہ فکر متفق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

توہین سے ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے جسکی سزا موت ہے۔ غیر مسلموں کو بھی جو اسلامی ریاستوں کے باشندے ہیں انبیاء کی توہین کی اجازت نہیں۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں فقہ کی کافی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ایسے مجرم کو معاف فرما سکتے ہیں لیکن اور کسی شخص کو حضورؐ کی طرف سے اس جرم کے مرتکب کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر اس اچھوتے خیال کی تائید میں موصوف نے اپنے سارے مضمون میں نہ کوئی قرآنی آیت پیش فرمائی ہے اور نہ کوئی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور غضب یہ کیا ہے کہ توہین رسالتؐ اور ارتداد کو یکجا کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دو الگ مسائل ہیں۔ شاہ صاحب کو تسلیم ہے کہ توہین رسالتؐ کا ارتکاب ایک مسلمان بھی کر سکتا ہے اور غیر مسلم بھی۔ مگر مرتد صرف مسلمان اپنا دین ترک کرنے سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق غیر مسلم سے نہیں ہوتا۔ اور جو دو حدیثیں پیش فرمائی ہیں وہ اسلام لانے کے بعد ارتداد اختیار کرنے والوں کے بارے میں ہیں کسی غیر مسلم کے بارے میں نہیں۔

مولانا فرید الحق صاحب کا یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ جرائم کے سدباب کیلئے اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں آزاد خیال مسلمان ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن شریف نے مختلف جرائم کی سزائیں واضح طور پر بیان فرمائی ہیں۔ اگر وہ سزائیں نافذ ہو جائیں تو ان کا ہر شخص خیر مقدم کریگا۔ مگر جن اعمال کی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ نے سزائیں مقرر نہیں فرمائیں۔ انکی سزائیں مقرر کرنے کا ہمارے فقہا کو کہاں سے حق پہنچتا ہے۔ پہلی شریعتوں میں غالباً شراب نوشی پر پابندی نہیں تھی۔ اسلیئے انکے زمانہ میں کسی شرابی کو محض شراب نوشی کی سزا دینے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اسکو عمل شیطان اور رجس عظیم کہکر حکم دیا فاجتنبواہ اس سے اجتناب کرو۔ اب اس حکم کے بعد جو مسلمان شراب نوشی کرے تو کوڑوں کی سزا پانیکا حقدار ٹھہریگا۔ مگر توہین رسالت اور ارتداد کے بارے میں خدا تعالیٰ نے کوئی ایسی سزا مقرر نہیں فرمائی جو حکومت وقت دینے کی مجاز ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کو بھی بخوبی معلوم ہے کہ انبیاء کے مکذبین انکی توہین اور شدید مخالفت کرتے تھے اور حق کو مٹانے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتے تھے۔ خود قرآن شریف نے مکفرین و مکذبین کی سنت مستمرہ بیان فرمائی ہے۔ "افسوس ہے لوگوں پر کہ ہمارا کوئی رسول ان کی طرف نہیں آیا جس سے انہوں نے استہزا نہ کیا ہو" (یس : ۱۸) ایسے دشمنان حق کو خدا تعالیٰ خود بڑی عبرتناک سزائیں دیتا ہے۔ اور قرآن شریف میں متعدد دفعہ حق کی باغی اور سرکش اقوام کا ذکر آیا ہے کہ کسطرح اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ بعض انبیاء نے انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنی قوموں کی بربادی کیلیئے باری تعالیٰ سے بد دعائیں کیں جو قبول ہوئیں۔ مگر خود کسی نبی نے اپنی قوم پر اپنی تکذیب کے باعث کبھی کسی سزا کے لیئے قدم نہیں اٹھایا اور انبیاء کے حالات ہم پر پورے طور پر واضح نہیں ہیں۔ مگر ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ صلعم کو سارے جہاں کے لیئے رحمت بنایا۔ جسقدر کفار مکہ نے آپ پر اور آپکے ابتدائی متبعین پر ہولناک مظالم توڑے اور آپ کی منظم طریقے سے تکذیب کی اسکی مثال پہلے انبیاء کی زندگی میں کم ملتی ہے۔ طائف کے روساء اور عوام نے جو ظلم وستم توڑے ان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مدینہ کے یہودی قبائل اور منافقین کی سازشوں سے ہوش ربا فتنے پیدا ہوتے۔ مگر کیا شاہ فرید الحق صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ اتنے دکھ اٹھانے کے باوجود کسی ایک موقع پر ہی حضور صلعم

نے اپنے ظالم مکذبین کے خلاف بدعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جب مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے حضور صلعم داخل ہوئے۔ تو کفار نے محض پشیمانی کا اظہار کیا تھا اور آنحضرتؐ سے نیک سلوک کی تمنا کی تھی اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ تو آپ صلعم نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ یعنی آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں، فرما کر اپنے تمام جانی دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا اور کسی سے کچھ باز پرس نہ کی تھی۔ آپ فراخدلی، بلند حوصلگی اور عفوورحمت کا مجسمہ بن گئے تھے۔ ہماری سمجھ سے یہ بات باہر ہے کہ آخر فقہاء اور علماء نے نبی صلعم کے ان اوصاف حمیدہ کی بجائے جبرو تشدد قہر اور ظلم کے خصائل رذیلہ امت کی جھولی میں ڈالنے کا حق کہاں سے حاصل کر لیا ہوا ہے۔ کیا ہمارے علماء کو اس بات پر ایمان نہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پہلے مکذبین انبیاء پر عذاب نازل کیا کرتا تھا۔ اب بھی کرتا ہے اور جتنی غیرت اسکو اپنے نبیؐ کی ہے وہ کسی بڑے سے بڑے انسان کو نہیں ہو سکتی۔ ہمیں تو دنیا میں توہین رسالتؐ کرنے والے پھلتے پھولتے کہیں نظر نہیں آتے۔

آزاد خیال طبقہ کو متہم کرنے کا شاہ فرید الحق صاحب کے پاس کوئی معقول جواز نہیں کیونکہ اس کا بڑا مدلل اور ٹھوس موقف ہے۔ جن جرائم کو خدا تعالیٰ نے قابل سزا جانا انکی سزائیں اپنے کلام پاک میں خود مقرر فرما دیں اور جن کو قابل سزا نہیں جانا ان کا ذکر نہیں فرمایا اور انبیاء کی توہین اور تکذیب کی سزا دینا اپنے ذمہ لیا ہے۔ اگر آزاد خیال حضرات کہتے ہیں کہ توہین رسالت کا قانون جابرانہ اور قاہرانہ ہے۔ تو وہ از روئے قرآن ایسا کہنے میں حق بجانب ہیں۔ شاہ فرید الحق صاحب نے ان حضرات کے اس احتجاج کو بھی توہین نبی صلعم قرار دیا ہے۔ یہ محض مولویانہ ذہنیت کا اظہار ہے اور سراسر معقولیت سے تہی دست ہے۔ ہم قرآن شریف اور سنت نبویؐ کو اصل اتھارٹی مانتے ہیں۔ علماء اور فقہا کا کوئی موقف جو قرآن و سنت کے مخالف ہو اسے قبول کرنے کے لیئے ہم مکلف نہیں ہو سکتے۔ شاہ فرید الحق صاحب ایک عالم دین ہیں ہم سیدنا حضرت عمرؓ کی سنت کے مطابق کہتے ہیں۔ **حسبنا كتاب الله يا رسول الله** اے رسول اللہ ہمارے لیئے اللہ کی کتاب بس کافی ہے۔ شاہ صاحب کو توہین رسالتؐ کے قانون کی حمایت میں اول اللہ کی کتاب پیش کرنی لازم ہے اور پھر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر وہ ہدایت کے ان چشموں سے پیاسے واپس آتے ہیں تو پھر ضد چھوڑ کر حق کی راہ اختیار فرمائیں۔ منافقین مدینہ کی مثال انکے سامنے ہے۔ تبوک کی طرف رجب ۹ ہجری کو لشکر کشی کی گئی۔ منافقین مدینہ میں بیٹھے رہے۔ لشکر واپس آ گیا۔ رئیس المنافقین دو ماہ بعد انتقال کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے مذموم عزائم اور انکی اصلیت کے بارے میں بذریعہ وحی خبر دے دی ہوئی تھی۔ اسکے باوجود حضور صلعم نے کفن کے لیئے اس منافق اعظم کو اپنا کرتہ عطا کر دیا اور اسکی نماز جنازہ بھی خود پڑھائی۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے قلب مطہر سے رحمت اور عفو کا چشمہ صرف اپنے متبعین کے لیے ہی نہیں بہتا تھا بلکہ آپ کے بدترین بدخواہوں اور دشمنوں کے لیے بھی بہتا تھا۔ آپؐ کے اسی خلق عظیم کا نتیجہ تھا کہ دشمن آپؐ کے قدموں میں آ گرے اور آپکے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے لگے۔ اگر یہی خلق عظیم ہمارے سلاطین اور علماء و فقہا نے اپنایا ہوتا تو دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

آج دنیا میں ہر چھٹا انسان مسلمان ہے۔ گویا چھ میں سے پانچ انسان غیر مسلم ہیں۔ چودہ سو برس قبل اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری ہدایت نامہ بھیجا تھا۔ مگر دنیا کی پانچ گنا آبادی ابھی تک

اس ہدایت کامل سے محروم اپنے اپنے مذاہب باطلہ پر جمی بیٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ اپنے بھلے کیلئے لاتے ہیں اور جو کفر و ضلالت کی راہ پر چل رہے ہیں وہ اپنے لیئے جہنم کی آگ اکٹھی کر رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ خدا جانے ہمارے علماء کو کس بات کی پریشانی لاحق ہو رہی ہے۔ جو اطمینان قلب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ اگر یہ بزرگ اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اسوہ رسول صلعم اختیار کر لیں تو دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ قرآن شریف نبی اکرمؐ کو ان الفاظ میں ہدایت فرماتا ہے:

"اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان سے اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔ تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستہ سے گمراہ ہوا اور وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔" (النحل۔ آیت ۱۲۵)

اس لیئے آنحضرتؐ نے کفار اور مکذبین اور متشددین کے بالمقابل نہایت نرمی، انکسار اور صبر و تحمل اختیار فرمایا اور بشری جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی انتقامی منصوبہ بندی نہ کی۔ انبیاء اگر تلوار ہاتھ میں پکڑ کر خدا کا پیغام ہدایت اپنے ابنائے قوم کو پہنچاتے تو کوئی ایک شخص بھی ان کے قریب نہ آتا۔ پھر خدا تعالیٰ نے صاف فیصلہ فرما دیا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ۔ آیت ۲۵۶) یعنی دین میں کوئی سختی نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک محکم جائے گرفت کو مضبوط پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔" یہ بات ہر صاحب فہم و فراست پر واضح ہے کہ غیر مسلم اقوام اور اقلیتیں دنیا میں آباد ہیں۔ انکے نزدیک اسلام سچا دین نہیں اور وہ ہمارے رسول صلعم کو سچا رسول تسلیم نہیں کرتیں۔ کیا ہم ان پر یہ الزام لگانے میں حق بجانب ہونگے کہ وہ ہمارے رسولؐ کو سچا نہ قرار دینے کے باعث توہین کے مرتکب ہیں۔ لہذہ قابل گردن زدنی ہیں۔ پھر کیا یہ دین کے منوانے میں جبر کا مترادف نہ ہو گا۔ ضرور ہو گا۔ اور اس سے قرآنی حکم کی صریحاً خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ اگر ایک عیسائی ہمارے نبی صلعم کو فی الحقیقت سچا مان لے تو پھر وہ عیسائی کہاں وہ تو صاف مسلمان ہو گیا۔ اس کا عیسائی مذہب پر قائم رہنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ نہ اسلام کو اور نہ بانی اسلامؐ کو برحق مانتا ہے۔ ہاں یہ ہر ایک اہل مذہب کا اخلاقی فرض ہے کہ امن و امان اور باہمی سوشل تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لیئے ایک دوسرے کے پیشوا کے خلاف کوئی کلمہ تخفیف اپنی زبان پر نہ لائے۔ مگر ظاہر ہے کہ جب آپس میں مذہبی تبادلہ خیال ہو گا۔ تو اصل حقیقت کھل کر سامنے آ جائیگی۔ ہندو اپنے مذہب کی سچائی بیان کریگا اور عیسائی اپنے مذہب کی۔ وہ لوگ اپنے نقطہ نگاہ سے ہمارے رسول صلعم پر نکتہ چینی کرینگے۔ مگر ہم ان کے پیشواؤں پر اسلیئے نکتہ چینی نہیں کر سکتے کہ ہم انہیں خدا کے سچے نبی اور فرستادے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے دلائل مضبوط ہوئے۔ تو لازماً مخالف اسلام کا منہ بند ہو جائیگا۔ مگر جب تک ایک عیسائی عیسائی اور ہندو ہندو ہے وہ ہمارے علماء کے نظریہ کے تحت شاتم رسولؐ ہے۔ گو وہ بلند آواز سے ایسا نہیں کرتا مگر اس کا دل اور ضمیر تو اسی موقف پر قائم ہے۔ پاکستان میں تو علماء نے دھونس دھاندلی سے توہین رسالتؐ کا قانون منظور کروا لیا ہے۔ مگر رد عمل کے طور پر اگر عیسائی ممالک بھی ایسا قانون منظور کر کے اپنے ممالک میں اسلام کی تبلیغ ممنوع قرار دیدیں۔ تو کیا وہ اس اقدام میں حق بجانب

نہ ہونگے۔ ہماری بہت بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے علماء صرف بین الفرقی تکفیر بازی میں بڑے مشاق ہیں۔ اور زمین کو انسانی خون سے رنگین دیکھنے کے بڑے شوقین ہیں۔ عوام کو آپس میں خوب لڑاتے ہیں مگر اپنی جان کو بڑا عزیز جانتے ہیں اور فتنہ فساد پھیلا کر خود گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ انہیں غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے کا نہ ڈھنگ آتا ہے اور نہ ہی شوق اور تمنا ہے۔ بھلا جو لوگ تکفیر بازی سے خود مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہوں۔ وہ غیروں کو دعوت اسلام کیونکر دے سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے نبیؐ رحمت کو فرمایا۔ "سو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا یا یاد دلانے والا ہے۔ ان پر تو داروغہ نہیں۔ ہاں جو منہ پھیرتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ تو اللہ اسے بڑا عذاب دے گا۔ ہماری طرف ہی ان کا لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہمارے ذمہ ہی ان کا حساب ہے" (سورہ الغاشیہ ۲۱ تا ۲۶)۔ اب خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ جب اس نے اپنے آخری نبیؐ کو لوگوں پر داروغہ نہیں بنایا تو ہمارے علماء کس کے حکم سے لوگوں پر داروغہ بنے بیٹھے ہیں۔ اور جس قصور پر خدا کے رسولؐ نے کوئی سزا کسی کو نہیں دی یہ وہ سزا دینی اپنا دینی فریضہ کیوں قرار دیتے ہیں۔ اور سزا کا جو ذمہ خدا تعالیٰ نے اپنے اوپر لے رکھا ہے اس سے کیوں مطمئن نہیں ہیں۔ کیا یہ خدا کے احکام سے بغاوت نہیں؟ فاعتبروا یااولو الابصار۔

شاہ فرید الحق صاحب نے ایک نہایت حیرت انگیز بات اپنے مضمون میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اس آیت کے نزول کے بعد سابقہ بہت سے احکام تبدیل ہو گئے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند فرمایا ہے۔" قارئین کرام اس آیت کو بار بار پڑھیں اور خود ہی انصافاً فرمائیں کہ آیا اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اب سابقہ بہت سارے احکامات قرآنی میں تغیر و تبدل ظہور پذیر ہو گیا ہے۔ یا یہ محض شاہ صاحب کی اپنی اپج ہے۔ خدا تعالیٰ تو تکمیل دین کی خوش خبری دیتا ہے مگر شاہ صاحب اس سے بعض احکامات سابقہ کی تنسیخ مراد لیتے ہیں۔ یہ دین کے ساتھ ہنسی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا تعالیٰ تئیس سال کی مدت میں جو کچھ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما چکا تھا۔ وہ قیامت تک آنیوالی انسانی نسلوں کے لیئے کافی تھا۔ اس آخری آیت نے تو صرف سابقہ احکامات قرآنی کی تصدیق اور توثیق کی تھی۔ اس میں کوئی نیا حکم تو نازل نہیں فرمایا تھا۔ یہ شاہ صاحب کی بہت بڑی جسارت بیجا ہے کہ انہوں نے بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے قرآن شریف کے بہت سارے احکامات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ قرآن کی بعض آیات میں مذکور احکامات کے منکر ہیں اور پھر بھی مومن کے مومن ہیں۔

یہ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

مگر حیرت ہے کہ اپنے موقف کی تائید میں آیات قرآنی بھی پیش کرتے ہیں۔ جب یہ آیات قرآن میں موجود ہیں اور ان سے رسولؐ خدا کی توہین کرنیوالوں اور آپ کے احکامات کو صاف طور پر ٹھکرانے والوں کی واقعی سزا موت مراد ہے۔ تو رسول خداؐ تو وحی الہیٰ کے اول مومن تھے۔ پھر آپنے کیوں نہ ایسے لوگوں کو موت کی سزا دی۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اس وحی پر عمل کرتے تھے۔ "درگذر اختیار کر اور نیک کام کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کر" (الاعراف۔ ۱۹۹)۔

قرآن اور حدیث کی روشنی میں

تہجد اور تراویح ۔ احمدیہ جماعت لاہور کا مسلک

بعض احباب جماعت کے دلوں میں کچھ خلش ہے کہ نماز تراویح کا پڑھنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں مرکز میں ایک تفصیلی مضمون بھی موصول ہوا ہے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس ضمن میں احمدیہ جماعت، لاہور کے مسلک پر روشنی ڈالی جائے۔

یہ بات تو سب احمدیوں کو مسلم ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا قدم کتاب و سنت پر تھا۔ اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم و عدل بھی بنایا تھا۔ اسلئے ہم سب سے پہلے اس مسئلہ پر حضرت اقدس کے فیصلے کو ہی لیتے ہیں۔

کتاب الصیام مرتبہ قاضی اکمل صاحب ص ۱۰ پر ذیل کی عبارت درج ہے:

"قیام رمضان ۔ تہجد کی نماز یوں بھی مومن کو حسب استطاعت پڑھنی چاہیئے مگر ماہ رمضان میں اسکا اہتمام ہے۔ حدیث میں یَأمُرُهُم بِغَیرِ عَزِیمَتِهِ آیا ہے۔ سید المعصومین الحکم العدل من رب العالمین نے بارہا سوالات کے جواب میں فرمایا کہ یہ نماز دراصل تہجد کی نماز ہے، کوئی الگ نماز نہیں۔ آنحضرت صلعم نے دو سہ روز اسے اول رات میں بھی پڑھا ہے۔ مگر اکثر آپ کا معمول یہی تھا کہ پچھلی رات میں اکیلے پڑھتے۔ چنانچہ جب صحابہؓ نے شامل ہو کر جماعت کی صورت بنالی تو فرمایا۔

فصلّوا ایّھا النّاس فی بیوتکم فانّ افضل الصّلوة صلوة المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (بخاری، کتاب ۱۰ باب ۸۱ ص ۱۸۷) یعنی پس اے لوگو تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازیں گھر ہی میں بہتر ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ سے پوچھا گیا تھا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعات پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ تو فرمایا آنحضرت صلعم کی سنت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہے۔ اور آپ تہجد کے وقت پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے۔ مگر پہلی رات ہی پڑھ لینا جائز ہے۔ بیس رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آپکی سنت وہی تھی، جو پہلے بیان ہوئی۔"

اسکے علاوہ اخبار بدر ۱۹۰۶ء۔ نمبر ۴۲ جلد ۲ ص ۴ ڈائری کے عنوان کے نیچے ذیل کی عبارت درج ہے:

"نماز تراویح اکمل صاحب آف گولیکی نے بذریعہ تحریر حضرت سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کو اٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔ لیکن عموماً محنتی مزدور زمیندار لوگ جو ایسے اعمال کے بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں، اگر اول شب میں انکو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخری شب کے پڑھا دیا جاوے تو کیا یہ جائز ہو گا؟

حضرت نے جواب میں فرمایا، کچھ حرج نہیں پڑھ لیں۔"

ان دونوں حوالوں سے حضرت اقدس کا مسلک تو واضح ہو گیا کہ نماز تراویح دراصل نماز تہجد ہی ہے۔ نبی کریم صلعم نے دو سہ روز اول رات میں بھی پڑھا ہے۔ لیکن حضورؐ کی سنت دائمی آٹھ رکعت ہیں جو آپ تہجد کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

اور یہی افضل ہے مگر پہلی رات میں پڑھ لینا جائز ہے۔

احمدیوں کی تسلی کیلئے ہم حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحبؒ کا مسلک بھی بیان کر دیتے ہیں۔

مجموعہ فتاوی احمدیہ، جلد اول مرتبہ مولوی محمد فضل خان احمدی کے صفحات ۷۶، ۷۷ا کے حاشیوں پر لکھی ہوئی عبارت کے ضروری الفاظ درج ذیل ہیں:-

"حضرت حکیم الامت سے ایک نووارد نے استفسار کیا کہ نماز تراویح کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ ماہ رمضان میں ایک تو روزوں کا حکم ہے دوسرا حسب طاقت دوسروں کو کھانا کھلانے کا تیسرا تدارس قرآن کا، چوتھا قیام رمضان کا۔ صحابہ کرامؓ میں قیام رمضان کے یہ تین طریقے رائج تھے۔ (۱) بعض تو بیس رکعات باجماعت پڑھتے تھے اور بعض آٹھ رکعات اور بعض صرف تہجد گھر میں پڑھتے تھے۔ نو وارد نے سوال کیا کہ نماز تراویح کا پڑھنا تین چار دن سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے بعض لوگ اسے بدعت عمری کہتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ خواہ آنحضرت صلعم نے ایک دن ہی نماز تراویح پڑھی تو سنت ہو گئی۔ دوسرے دن نہ کرنے سے سنت تو نہیں ٹوٹتی۔ ہاں فرضیت ثابت نہیں ہوتی، مگر سنتؐ بھی قابل عمل ہے، یہ جو بدعت عمری کہتے ہیں، اسمیں کیا حرج۔ چلو بدعت عمری ہی سہی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔۔۔۔۔ (سورت التوبہ آیت ۱۰۰)۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی بھی خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔ نووارد نے سوال کیا۔ آپ کا معمول کیا ہے۔ تو فرمانے لگے کہ میں اپنے فتویٰ کے خلاف عمل نہیں کرتا۔" [احمدیوں کی مزید تشفی کیلئے ہم حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کتاب The Religion of Islam کے صفحات 453، 454 کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

"روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے رمضان کے مہینے میں تہجد کی نمازیں ادا کرنے کیلئے خلوت کی جگہ کے طور پر مسجد کے اندر اپنے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ بنوایا تھا۔ جسمیں ایک چٹائی بچھوا دی تھی اور ایک رات جب آپؐ نماز تہجد ادا کرنے کیلئے بیدار ہوئے بعض لوگوں نے جو مسجد میں موجود تھے حضورؐ کو دیکھا تو آپکی اقتداء میں نماز پڑھی۔ جس سے یہ باجماعت نماز بن گئی۔ اگلی رات یہ مجمع بڑھ گیا اور تیسری رات انکی تعداد اور زیادہ ہو گئی۔ چوتھی رات آنحضرت صلعم باہر تشریف نہ لائے اور فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اسے فرض نہ بنا لیا جاوے۔ نیز فرمایا کہ بہتر ہے کہ نماز تہجد گھر میں ادا کی جاوے۔" (بخاری، کتاب ۱۰، باب ۸۰، ۸۱)

اسلئے باستثناء تین دنوں کے نماز تہجد حضرت نبی کریم صلعم کی زندگی میں، حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی حصہ میں ایک انفرادی نماز رہی۔

(بخاری، کتاب ۳۱، باب ۱)

لیکن بعد میں حضرت عمرؓ نے ایک تبدیلی کی جس سے یہ نماز رات کے پہلے حصے کی ایک باجماعت نماز ہو گئی اور نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی تھی۔ روایت ہے کہ انہوںؓ نے خود فرمایا کہ یہ ایک نئی بات ہے اور یہ کہ رات کا پچھلا پہر جس میں لوگ سوئے رہتے ہیں پہلے پہر سے بہتر ہے جسمیں یہ نماز پڑھتے ہیں۔" (بخاری، کتاب ۳۱، باب ۱)

لیکن اسمیں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ تجویز حضرت رسول کریم صلعم کی مثال ہی سے سوجھی تھی جنہوں نے تین رات تک نماز تہجد باجماعت پڑھی تھی اور وتر کو جو نماز تہجد کا ہی

حصہ ہے نماز عشاء کے ساتھ ملانے کی اجازت دی تھی اور اگرچہ ایک عام انسان کیلئے حضرت عمرؓ کی لائی ہوئی تبدیلی بلا شبہ خوش آئند ہے تاہم رمضان میں تہجد کی پچھلی رات میں انفراداً ادا کرنا قابل ترجیح ہے۔" [اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ نماز تراویح فرداً فرداً مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ آپؓ نے صرف اتنا کیا کہ انہیں ایک امام کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ غور فرمائیں کہ اگر نماز تراویح کا ادا کرنا نبی کریم صلعم کے منشاء کے خلاف ہوتا تو کیا صحابہ کرامؓ ایسا کر سکتے تھے؟ کیا حضرت عمرؓ اسکی اجازت دیتے؟ اور یہ بات حضرت عمرؓ نے بھی دہرائی کہ پچھلی رات کی عبادت پہلی رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور نے جو وتروں کو نماز عشاء کے بعد پڑھنے کی اجازت کو نبی کریم صلعم سے منسوب کیا ہے تو اسکے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی حدیث یہاں درج کی جاوے۔

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَوْصَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ۔

ترجمہ:- ابو ہریرہؓ نے کہا مجھے رسول اللہ صلعم نے تاکیدی حکم دیا کہ سونے سے پہلے وتر پڑھوں۔

(فضل الباری، صفحہ ۲۳۹، بخاری ابواب الوتر ۱۴، باب ۲)

جماعت احمدیہ لاہور باقاعدگی کے ساتھ اس سنتؐ پر عمل پیرا ہے، چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ پیغام صلح ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ اخبار احمدیہ۔ مسلم ٹاؤن لاہور کی مسجد احمدیہ میں مولوی عبدالرشید صاحب نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ ۱۲ اکتوبر کو انہوں نے قرآن مجید ختم کیا۔

۲۔ پیغام صلح ۳۰ اگست ۱۹۴۴ء۔ اخبار احمدیہ۔ انشاء اللہ اختتام رمضان تک پورے قرآن کریم کا دور ہو جائیگا۔ اسکے علاوہ رات کو قاری حافظ بوستان خان نماز تراویح میں قرآن کریم سناتے ہیں۔

۳۔ پیغام صلح، ۲۸ جون ۱۹۵۰ء۔ اخبار احمدیہ۔ مسجد احمدیہ بلڈنگس، لاہور میں شروع رمضان سے حافظ قاری محمد بوستان خان صاحب نماز تراویح میں قرآن کریم سنا رہے ہیں۔ ۹ رمضان ۲۷ جون کی شب تک ساڑھے بارہ پارے سنائے جا چکے ہیں، امید ہے کہ ۲۹ رمضان کو قرآن کریم ختم ہو جائیگا۔

۴۔ پیغام صلح، ۶ جون ۱۹۵۱ء۔ صفحہ ۲۔ احمدیہ مسجد میں حسب معمول امسال بھی رمضان میں نماز تراویح قاری حافظ محمد بوستان صاحب پڑھائیں گے۔ احباب لاہور شمولیت فرماویں۔

۵۔ پیغام صلح، ۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء:-

حضرت مولانا صدر الدین صاحب کے خطبہ سے اقتباس:-

"میں نے تراویح کی نماز حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ پڑھی ہے۔ اور حضرت مولانا نور الدین صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ بھی پڑھی ہے۔۔۔۔ ہماری مسجد میں بھی سالہا سال نماز تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے۔ لاہور کی جماعت کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

۶۔ ہمارے موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے ہمیں ذیل کا بیان خود لکھ کر دیا ہے:-

"مجھے یاد ہے کہ غالباً ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء کے رمضان المبارک میں میر مدثر خان صاب پشاوری نے داتہ میں نماز تراویح کی امامت کی۔

ہمارے اپنے گاؤں موضع دیپ گراں میں میرے والد مولوی محمد یحیٰی صاحب یا چچا مولوی محمد یعقوب صاحب، یا میں خود بھی نماز تراویح کی امامت کراتا رہا۔ ۱۹۱۳ء میں جو حضرت مولانا نور الدین صاحب کی زندگی کا آخری سال تھا اور وہ بیمار اور صاحب فراش تھے۔ ایک حافظ صاحب ان کی مکان کے صحن میں نماز تراویح میں قرآن مجید سناتے تھے۔ حضرت مولانا موصوف بستر پر لیٹے ہوئے نماز ادا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے

ساتھ نماز تراویح میں شامل ہوتا تھا۔

سعید احمد ۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء۔"

حضرت اقدس اور عمائدین جماعت احمدیہ کا مسلک تو واضح ہو گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض احمدی تراویح کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دو حدیثوں سے ٹھوکر لگی ہے، پہلی حدیث تو وہی ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی

فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِی بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوةِ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِی بَيْتِهٖ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ

(بخاری، کتاب ۱۰، باب ۸۱)

ترجمہ:- پس اے لوگو تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ بہترین نماز آدمی کی اپنے گھر میں نماز ہے، سوائے فرض کے۔

غور فرمائیں۔ اس میں یہ فرمایا ہے کہ گھر کی نماز "افضل" ہے سوائے فرض کی نماز کے۔ افضل کے معنی ہیں زیادہ فضل والی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نماز سے یہ افضل ہے وہ بھی فضل والی ہے۔ غلط چیز نہیں ہے، اس پر حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی صاحب "فضل الباری" کے نوٹ نمبر ۴ صفحہ ۱۸۷ پر کہتے ہیں۔ "نوافل کا گھروں میں پڑھنا اسلئے ضروری ہے تاکہ گھروں میں خدا کی عبادت ہو، اس سے اہل و عیال پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔" یعنی فضیلت کی وجہ ایک خاص ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

اگر اس حدیث کا منشاء یہ ہوتا کہ فرض نماز کے علاوہ باقی سب نمازوں کو مسجد میں پڑھنا قطعی منع ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حضورؐ نے تین رات مسجد کے حجرہ میں کیوں نماز تہجد پڑھی؟ صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسجد میں کیوں نوافل ادا کرتے تھے؟ نعوذ باللہ کیا صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ کے زمانے تک نبی کریمؐ کے قطعی حکم کی خلاف ورزی کر سکتے تھے؟ کیا حضرت عمرؓ اسکی اجازت دے سکتے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ذیل کی دو حدیثیں بھی سنئے، پہلی حدیث یہ ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَمَا صَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلٰثًا فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَيْرَهٗ فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا

(بخاری، کتاب ۱۰، باب ۹۵)

ترجمہ:- ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم مسجد میں تشریف لائے تو ایک آدمی آیا اور نماز پڑھی، پھر نبی صلعم کو سلام کیا تو آپ نے جواب دیا اور کہا کہ لوٹ جا اور نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی، پس وہ لوٹا اور نماز پڑھی، جسطرح پہلے پڑھی تھی، پھر آیا اور نبی صلعم کو سلام کیا تو فرمایا لوٹ جا اور نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی، تین مرتبہ ایسا ہوا تو اس نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس سے اچھا میں نہیں جانتا، سو مجھے تعلیم دیجئے۔ تو فرمایا جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ۔ پھر پڑھ جو تجھے قرآن سے میسر ہو۔ پھر رکوع کر یہاں تک تو حالت رکوع میں آرام کرے، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے۔ پھر سجدہ کر یہانتک کہ تو حالت سجدہ میں آرام کرے۔ پھر سر اٹھا یہانتک کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے اور اپنی ساری نمازوں میں ایسا کر۔

یہ فرض نماز نہیں تھی کیونکہ فرض تو جماعت کے ساتھ

پڑھتے تھے۔ یہ نماز کی سنتیں تھیں جو وہ شخص مسجد میں پڑھ رہا تھا۔

دوسری حدیث یہ ہے:-

عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ اَصَلَّيْتَ يَافُلَانُ فَقَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ

(بخاری، کتاب ۱۱۔ باب ۳۲)

ترجمہ:- جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہا ایک شخص آیا اور نبی کریم صلعم لوگوں کو جمعہ کے دن خطبہ سنا رہے تھے تو فرمایا اے فلاں تو نے نماز پڑھی ہے کہا نہیں۔ فرمایا اٹھ اور پڑھ۔

خیال فرمائیں کہ یہاں آنحضرتؐ خود اس آدمی کو سنتیں نماز جمعہ کی مسجد میں پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں۔

اب ذیل کی حدیث بھی سنیئے:-

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا

(ابو داؤد، جلد اول صفحہ ۲۸۶)

ترجمہ:- ابو ہریرہ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مت بناؤ اپنے گھروں کو قبریں (جیسے قبروں میں کوئی نماز نہیں پڑھتا۔ ویسے ہی کہیں گھروں میں بھی نماز پڑھنا چھوڑ دو)۔ (ابو داؤد، جلد اول ترجمہ مولوی وحید الزمان صاحب ص ۴۸۱)

صحابہ کرامؓ نے گھروں میں پڑھی جانیوالی نماز کی فضیلت والی حدیث کا یہی مفہوم سمجھا کہ گھروں میں نماز پڑھنا ختم نہ ہو جائے، ورنہ یہ ناممکن ہے کہ حضورؐ کے حکم میں قطعیت کا منشا ہو اور کوئی صحابیؓ ایک رکعت بھی اسکے خلاف پڑھ لے اور حضرت عمرؓ جیسا انسان اسکی اجازت دے۔ اب ہم دوسری حدیث کو لیتے ہیں جسکی رو سے تراویح پر اعتراض کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(ابو داؤد، جلد ۲ ص ۲۸۷)

ترجمہ:- دین کے معاملہ میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

معترضین کہتے ہیں کہ چونکہ خود حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز کے ایک امام کے پیچھے پڑھا جانے کو نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ کہا ہے لہٰذا یہ بدعت اسی حدیث کی زد میں آتی ہے۔ اس سلسلہ میں موطا امام مالک مترجم مؤلفہ علامہ وحید الزمان کے ص ۱۰۰ سے ذیل کا اقتباس سنئے:-

"بدعت لغت میں ہر نئی چیز اور نئے کام کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس امر کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین میں نکالا جائے اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھی جاتی تھی اور جماعت سے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تین راتوں تک پڑھا، جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے ثابت ہوا۔ پھر یہ قول حضرت عمرؓ کا کہ اچھی ہے یہ بدعت۔ مراد اس سے بدعت شرعی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ بدعت شرعی وہی امر ہے جو آنحضرتؐ کے بعد دین میں نکالا جائے اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ مراد حضرت عمرؓ کی بدعت سے بدعت لغوی ہے۔ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں تراویح کا اہتمام ایسا نہ تھا اور نہ ایک امام مقرر تھا، اسلئے یہ ایک نیا امر ہوا۔ پس لغۃً اسکو بدعت کہا نہ شرعاً کیونکہ بدعت شرعی کی تعریف تراویح پر جو حضرتؐ کے زمانے میں موجود تھی کس طرح صادق آئیگی اور بدعت شرعی کو حضرت عمرؓ اچھا کیونکر کہیں گے، بلکہ ہر بدعت شرعی گمراہی ہے"۔

مزید برآں حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور نے بیان القرآن کے نوٹ نمبر ۴۴۳ میں مکر اور خیر الماکرین پر

بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اصل لفظ "مکر" میں بدی کا مفہوم نہیں کیونکہ جو فعل برا ہو اسکے ساتھ خیر یا بھلے کا لفظ تو لگ ہی نہیں سکتا۔" اس طرح آپ غور فرمائیں کہ حضرت عمرؓ نے نعمت البدعۃ فرمایا ہے، اگر ان کے ذہن میں بدعت کا مفہوم حدیث بدعت والا ہوتا تو اس کے ساتھ نعمت کا لفظ نہ لگا سکتے تھے۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ ان کے ذہن میں بدعت کا ہی لغوی مفہوم تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا فعل ہرگز ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ اسی لئے حضرت مولانا نور الدین نے فرمایا۔ "چلو بدعت عمری ہی سہی، اس میں کیا حرج ہے" حرج اسلئے نہیں تھا کہ ان کے ذہن میں بھی بدعت کا مفہوم وہی لغوی مفہوم تھا جس بدعت کو حدیث شریف میں ضلالہ کہا ہے اسکی مثال قرآن مجید میں موجود ہے سورۃ الحدید ۵۷ آیت نمبر ۲۷ کا ترجمہ سنیئے:-

"پھر ہم نے ان کے قدموں پر ان کے پیچھے (اور) رسول بھیجے اور (سب سے) پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اسے انجیل دی اور ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اسکی پیروی کی، مہربانی اور رحم ڈالا اور رہبانیت انہوں نے خود نکالی، ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا۔ مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے (نکالی) پر اسکی وہ نگہداشت نہ کر سکے جو اسکی نگہداشت کا حق تھا۔ سو ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ان کا اجر دیا اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں۔"

رہبانیت عیسائیت کی اپنی اختراع تھی، شریعت میں اسکی بنیاد موجود نہ تھی۔ لہذا ایسی خلاف فطرت حرکت کا نتیجہ ضلالت ہوا۔

بعض احباب کو تراویح پر یہ اعتراض ہے کہ اسمیں امام بہت تیزی سے قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔ سو گزارش ہے کہ یہ اعتراض نفس تراویح پر نہیں بلکہ آداب تلاوت کی خلاف ورزی پر ہے۔ بے شک تلاوت مناسب انداز میں ہونی چاہیئے کہ الفاظ ہر سننے والوں کی سمجھ میں آسکیں۔ قرآن مجید میں بھی خدا کا حکم ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا یعنی قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ (المزمل: ۴)

اب ساری بحث کا لب لباب یعنی احمدیہ جماعت، لاہور کا مسلک ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ نماز تہجد نبی کریم صلعم کی سنت ہے، جہانتک ہو سکے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ حضرت اقدس امام وقت نے احمدیوں کو اسکی خاص تلقین فرمائی ہے۔

۲۔ ماہ رمضان میں جو تہجد کے وقت نہیں اٹھ سکتے وہ نماز عشاء کے بعد تراویح اور وتر ادا کر لیں، جائز ہے۔

۳۔ تہجد کی نماز تراویح سے افضل ہے۔ یعنی تراویح بھی فضل والی ہے۔ اسمیں صحابہ کرامؓ کا تتبع ہے جو پہلے درج کی گئی قرآنی آیت (سورۃ توبہ، آیت ۱۰۰) کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔

۴۔ نبی کریمؐ کی دائمی سنت ۸ رکعت تہجد اور ۳ وتر ہیں۔ حضورؐ ان میں بہت قرآن پڑھ لیتے تھے۔

۵۔ تراویح کو بیس رکعت تک تعداد بڑھانے کی ضرورت غالباً ان صحابہ کرامؓ کو پیش آئی، جنہیں زیادہ قرآن کریم حفظ نہ تھا، لیکن وہ بھی دو تہائی کے قریب نصف اور ایک تہائی قیام الیل میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ جسکا ذکر سورۃ المزمل ۷۳ میں ہے۔ اس سورت کے آخری (بیسویں) آیت کے شروع میں آتا ہے۔ "تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب قیام کرتا ہے اور کبھی اسکا نصف اور کبھی اسکی تہائی اور ان میں سے بھی ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہیں۔۔۔" لہذا بیس رکعت پڑھنے میں ان صحابہ کرامؓ کا تتبع ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ بھی اللہ کی رضا کا موجب ہے۔

۶۔ تراویح میں تلاوت مناسب انداز میں ہونی چاہیئے کہ الفاظ سننے والوں کی سمجھ میں آسکیں۔

جنوبی افریقہ احمدیہ کیس کی بازگشت

کیپ ٹاؤن میں لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیگے کرال قبرستان کے نیلام ہونے کا خطرہ

[بیگم سحیر حسین، ٹیفل برگ حلقہ (کیپ ٹاؤن) سے ممبر پارلیمنٹ اور پارلیمنٹ میں فریڈم پارٹی کی لیڈر ہیں ان کے خاوند اے، آر، محمد صاحب جنوبی افریقہ کی فریڈم پارٹی کے قائد ہیں انہوں نے احمدیوں کی طرف سے لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیگے کرال قبرستان، کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ کو نیلام کروانے کے خطرہ کے متعلق "مسلم ڈائجسٹ"، فروری / مارچ 1994 کے شمارے میں ایک مضمون لکھا جس کا اردو ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ مدیر]

"قدیم سے ہر ولی، عالم اور فلسفی نے ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ قبرستان اور عبادت گاہیں پاک اور مقدس مقام ہوتے ہیں جن کی تعظیم کرنی چاہیئے اور ان کے تقدس کی حفاظت!

تاہم موجودہ دور میں عنقریب ایک دن نیلام کرنے والے کی ماہرانہ آواز "جارہی ہے، جارہی ہے... گئی" کہتی ہوئی سنی جائے گی اور یہ آواز نسل در نسل یاد رہے گی... اگر لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیگے کرال قبرستان خدانخواستہ احمدیوں نے نیلام کروا دیا... جنہیں مسلم جوڈیشل کونسل، کیپ ٹاؤن کی طرف سے ایک لاکھ چوالیس ہزار رینڈ خرچہ قابل ادائیگی ہے۔

محترم ممبر، آپ کا کیا رد عمل ہو گا۔ آپ جو اس مسجد کے نمازی ہیں، اگر یہ لانگ سٹریٹ والی مسجد نیلام ہو کر گرجا بنا دی گئی؟

کیا آپ محترم ممبر! اس صورت حال کو برداشت کر لیں گے؟

اور آپ صاحبان! جن کا کوئی فوت شدہ عزیز، بھائی، بہن، والدہ یا باپ وغیرہ وائیگے کرال قبرستان میں دفن ہے۔ آپ کا کیا رد عمل ہو گا اگر یہ جائیداد کسی "پراپرٹی ڈیولپر" کو بیچ دی گئی اور وہ اس پر ایک بڑا شاپنگ سنٹر تعمیر کر دے؟ یقیناً اس پر احتجاجی کارروائی ہو گی... مسجدوں اور منبروں سے مخالفانہ اعلانات۔ وہ مسجدیں جو مسلم جوڈیشل کونسل کے زیر انتظام ہیں ان میں تشدد اور کئی قسم کے ہنگامے ہونگے۔ جس جائیداد پر مسجد اور قبرستان واقع ہیں! تاہم یہ غلط ہو گا کہ صرف انہیں ہی تنقید کا نشانہ بنایا جائے کیونکہ یہ نیلامی انکی کسی کارروائی کے نتیجہ میں نہیں ہو گی۔

وقت اور دھندلی یادداشتوں نے اصل مجرموں کو ڈھانپ دیا ہے... اور وہ ہیں شیخ ناظم اور ان کی زیر نگرانی چلنے والی مسلم جوڈیشل کونسل!

یہ شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل تھے جنہوں نے احمدیہ انجمن لاہور (جنوبی افریقہ) شاخ کے سپریم کورٹ میں دائر کردہ مقدمہ کا دفاع کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی اور بعد میں مقدمہ کے دوران ایک مکمل قلا بازی لگائی... اور ہتھیار ڈال دیئے، یہ کہتے ہوئے کہ ایک مسلم معاملہ کا ایک عیسائی کی عدالت میں فیصلہ نہیں ہو سکتا... اور یہ ڈرامہ بارہ سال قبل 1982 میں شروع ہوا۔ ان لوگوں کی یاد دہانی کیلئے جو شاید معاملہ کو بھول گئے ہوں ہم اس افسوسناک ڈرامہ کی مختصر کہانی اور اس کے چیدہ چیدہ نکات درج کرتے ہیں جس ڈرامہ کے نتیجہ میں مسجد اور قبرستان دونوں عنقریب نیلام ہو سکتے ہیں!

احمدیہ انجمن لاہور (جنوبی افریقہ) مدعی اول، مسٹر اسمٰعیل پیک (ایک احمدی) مدعی دوم نے مسلم جوڈیشل کونسل، مدعا علیہ اول، لانگ سٹریٹ مسجد مدعا علیہ دوم اور وائیگے کرال قبرستان مدعا علیہ سوم کے خلاف سپریم کورٹ، کیپ ٹاؤن میں ۱۹۸۲ء میں قانونی کارروائی شروع کی اور درخواست کی کہ:-

مدعیان کو مسلم جوڈیشل کونسل مسلمان کے طور پر قبول کرے اور انہیں لانگ سٹریٹ مسجد میں داخلے کی اجازت دی جائے (جہاں کچھ احمدی نماز پڑھتے تھے)۔
نیز وائیکے کرال قبرستان کی انتظامیہ احمدیوں کی تدفین پر سے پابندی اٹھالے۔

مسلم جوڈیشل کونسل، اپنی طرف سے اور لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کی طرف سے (جو دونوں خاموش مدعا علیہان تھے) فوری طور پر اس مقدمہ کا دفاع کرنے کیلئے حرکت میں آ گئی۔ سپریم کورٹ میں یہ مقدمہ تین سال چلتا رہا اور مسلم جوڈیشل کونسل نے اس کیس کا دفاع کرنے میں سرگرم اور قائدانہ رول ادا کیا حتیٰ کہ پاکستان گورنمنٹ نے بھی چند مسلمان مذہبی ماہرین کو شہادت دینے کیلئے پاکستان سے اپنے خرچ پر بھجوانے کا بندوبست کیا۔

کیس نومبر ۱۹۸۵ء میں سنا جانا تھا۔ مگر پوری اسلامی امہ دنیا کے ہر کونے میں حیران، ششدر اور مایوس رہ گئی جب مسلم جوڈیشل کونسل نے اپنا ڈیفنس تینوں مدعا علیہان کی طرف سے یہ کہہ کر واپس لے لیا کہ ایک عیسائی غیر مسلم جج، مسلم معاملات کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ایڈووکیٹ سراج ڈیسائی نے مسلم جوڈیشل کونسل اور دیگر مدعا علیہان کی طرف سے پریزائڈنگ جج مسٹر جسٹس ولیم سن سے کہا:

"مائی لارڈ! جہاں تک کہ وکیلوں اور موکلوں کے خرچہ کا تعلق ہے مدعا علیہان اپنے مذہبی اعتقادات اور ایمان کی خاطر ہر اس ہرجانہ کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں جو کہ عدالت عائد کرنا چاہے۔ اور یہ کہ مدعا علیہان باتقدیم احترام عرض کرتے ہیں کہ وہ اس عدالت کی عملداری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کورٹ فیصلہ کرے۔۔۔ اور اسکے قانونی معنی یوں ہوئے کہ مدعا علیہان ڈیفنس کو واپس لینا چاہتے ہیں۔۔۔ اور میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس کورٹ میں حاضری سے معافی دی جائے!"

اسطرح مسلم جوڈیشل کونسل کی عدم شرکت کی وجہ سے کیس ہار دیا گیا۔ خرچہ چار لاکھ رانڈ مقرر ہوا مگر مسلم جوڈیشل کونسل نے سپریم کورٹ کے ٹیکس ماسٹر کو تخفیف کی درخواست دی اور اس نے اتفاق کرتے ہوئے خرچہ کو کم کر کے Rs.2,16,000/- بحساب مسلم جوڈیشل کونسل اور دو دیگر خاموش مدعا علیہان منظور کیا۔ یعنی Rs.72,000/- فی مدعا علیہ!

اگر مسلم جوڈیشل کونسل عدالت کے عیسائی ہونے کی وجہ سے مقدمہ لڑنا نہیں چاہتی تھی تو کونسل نے کیوں اپنے سینئر وکیل کو مدافعت کی ابتدا کرنے کی ہدایت میں سرگرمی دکھائی؟ اس سلسلہ میں وکیل صفائی سراج ڈیسائی نے دو اہم ریمارکس دیئے جن میں سے پہلا یہ تھا:

"ایک عیسائی کورٹ کا فیصلہ نامنظور!" اور دوسرا "مدعا علیہان کوئی بھی جرمانہ جو کہ یہ عدالت مقرر کرنا چاہے برداشت کرنے کو تیار ہیں۔"

اس موضوع پر کچھ اور تفصیل بعد میں!

جمع شدہ رقوم کا کیا بنا؟

کورٹ کیس کے جذباتی ماحول کے دوران مسلم جوڈیشل کونسل نے بھاری رقوم جمع کیں۔ کیپ صوبہ، مشرقی کیپ، ٹرانسوال اور نٹال کی مسجدوں میں رقوم اکٹھی کرنے کی منظم تحریکیں چلائی گئیں۔ جمعیتہ العلماء ٹرانسوال اور جمعیت العلما نٹال نے اپنے اپنے صوبہ میں احمدی کیس لڑنے کیلئے رقوم جمع کرنے کی مہم میں نمایاں حصہ لیا۔

علاوہ ازیں ہمیں بتایا گیا ہے کہ "سعودی رابطہ" کی طرف سے اسی (۸۰) ہزار ڈالر (جو کہ اس وقت دو لاکھ چالیس ہزار رانڈ کے برابر تھا) کی گرانٹ اس پہلے احمدی کورٹ کیس کو لڑنے کیلئے دی گئی۔

نوٹ کریں کہ یہ تمام رقوم کیس لڑنے کیلئے دی گئی تھیں، مگر شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل، جو کہ کیپ ٹاؤن میں اسلام کے علمبردار ہونے کے دعویدار ہیں، کو یکایک تین سال

کیس لڑنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو عیسائی عدالت ہے اسلئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور دست بردار ہو گئے!

مگر جو بھاری رقوم اکٹھی کی گئی تھیں ان کا کیا بنا؟ مسلمانوں کو کوئی حساب مہیا نہیں کیا گیا گو "مسلم ڈائجسٹ" نے شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل سے وضاحت بھی چاہی تھی!

آج تک شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل کی طرف سے کوئی حساب پیش نہیں کیا گیا، کیوں؟ مسلمان یہ بھی جاننا چاہینگے کہ جو ماہرین پاکستان سے گواہی دینے آتے تھے انہیں کیوں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور کیوں مسلم جوڈیشل کونسل نے دست بردار ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؟

علاوہ ازیں ہم نے (یعنی سحیر حسین اور میرے خاوند اے آر محمد نے) ان پاکستانی گواہوں کو ان کے تین ماہ کے قیام کے دوران اپنی کار مہیا کی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کچھ دوسرے خیر خواہوں نے انہیں مفت گھر اور کھانا مہیا کیا۔ اسلئے مسلم جوڈیشل کونسل یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے ان پاکستانیوں کو رہائش و خوراک مہیا کی تھی!

سازش گہری ہوتی گئی! ، کورٹ کیس کے خلاف جنون کی حد تک رد عمل عوامی مظاہرے، دھمکیاں اور حملے کی شکل میں ظاہر ہوا! اگرچہ مسلم جوڈیشل کونسل نے فیصلہ کیا کہ تمام خرچہ ادا نہ کرے گی۔ لیکن پھر خاموشی سے شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل نے .بہتر ہزار رانڈ کی رقم ادا کر دی تاکہ مسلم جوڈیشل کونسل صرف کیسل ایونیو، ایتھلون، کیپ ٹاؤن میں واقع جائیداد کو بچا سکے!

یہ ان لوگوں کی کارروائی تھی جو اس سارے معاملہ میں پیش پیش تھے پبلک جلسے کر رہے تھے۔ احتجاج کر رہے تھے۔ اعلان کر رہے تھے کہ وہ خرچہ ادا نہ کریں گے۔ مگر خفیہ طور پر جا کر بالکل اس کے الٹ کیا اور صرف مسلم جوڈیشل کونسل کی جائیداد کیلئے .بہتر ہزار رانڈ ادا کر دیئے اور باقی دو خاموش مدعا علیھان یعنی لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کے معاملہ کو ہوا میں معلق چھوڑ دیا! آخر لانگ سٹریٹ مسجد یا وائیکے کرال قبرستان کا تو کوئی قصور نہ تھا جن کی وجہ سے کیس واپس لیا گیا! یہ تو آپ تھے، جناب شیخ ناظم صاحب اور آپکی مسلم جوڈیشل کونسل جو کہ کیس لڑ رہے تھے اور جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے! نتیجتاً لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کو ضبط کر کے فروخت کرنے کے نوٹس جاری کر دیئے گئے اور نیلام عام کے ذریعہ بکنے والے تھے کہ ہم نے (یعنی سحیر حسین اور اے آر محمد نے) بحیثیت مسلمان ہونے کے مداخلت کی۔ شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل نے کئی دفعہ ہمیں بکاؤ مال کا طعنہ دیا۔ ہم نے وزیر خارجہ جناب "پک بوتھا" تک رسائی حاصل کی اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مداخلت کریں گے۔ مسٹر کوبی کوٹزی، وزیر انصاف سے بھی اس بارے میں ملاقات کی۔ اس مداخلت کے نتیجہ میں ان جائیدادوں کی فروخت کے بارہ میں ایک عارضی حکم امتناع جاری ہوا۔ یہ ۱۹۸۷ء کا ذکر ہے! تاہم اب احمدی اپنا خرچہ وصول کرنے کی خاطر ان جائیدادوں کو بیچنے کی دھمکی دے رہے ہیں!

کیپ ٹاؤن اور نس برگ کے "شیرف" جو کہ اس مقدمہ سے متعلقہ حکام ہیں کہتے ہیں کہ معاملہ ختم نہیں ہوا۔ ڈگری اب بھی لاگو ہے اور اگر خرچہ ادا نہ کیا گیا تو احمدی مسجد اور قبرستان کو نیلام کروا دیں گے۔ دعا کریں کہ کوتاہ بینی دوبارہ نہ چھائے اور کیپ صوبہ کے مسلمان دوبارہ مسلم جوڈیشل کونسل کے ارکان کے سحر میں نہ آ جائیں۔ اور یہ افسوسناک واقعہ وقوع پذیر ہو!

عقل کا تقاضا ہے کہ جسطرح شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل نے کورٹ ایکشن کے دفاع میں پھرتی دکھائی تھی بالکل اسی طرح تینوں مدعا علیھان کا خرچہ ادا کرنا بھی انکی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ مگر ریکارڈ بتاتا ہے کہ شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل نے صرف مسلم جوڈیشل کونسل کی کیسل ایونیو والی جائیداد کا خرچہ ادا کیا! شیخ ناظم! آپ نے لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کا خرچہ کیوں نہیں ادا کیا؟

حلال سرٹیفکیٹ فنڈ سے ادائیگی کی جائے

یہ کوئی راز نہیں کہ مسلم جوڈیشل کونسل کے پاس بھاری

رقوم موجود ہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ صرف مسلم جوڈیشل سرٹیفکیٹ ٹرسٹ (جو کہ ایک پرائیویٹ ٹرسٹ ہے) کی آمدنی ایک ملین رانڈ سالانہ ہے۔ اس رقم کا کیا استعمال ہوتا ہے؟ مسلم جوڈیشل کونسل اور شیخ ناظم دونوں کو مسلم پبلک کو وضاحت دینی چاہئے مگر جب "مسلم ڈائجسٹ" نے ایک پانچ صفحہ کے مضمون میں مسلم جوڈیشل کونسل حلال ٹرسٹ کی سرگرمیوں کے بارہ میں سوال اٹھایا تو سوائے خاموشی کے انہیں کوئی جواب نہیں ملا؟ بجائے اسکے کہ لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کو بکنے دیا جائے، شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل یہ ایک لاکھ چوالیس ہزار انڈان بھاری رقوم سے کیوں ادا نہیں کرتے جو کہ ہر سال انہیں حلال سرٹیفکیٹس کے عوض وصول ہوتی ہیں؟ بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے بحیثیت مدعا علیہ اول احمدیوں کو خرچہ ادا کیا تاکہ اپنی جائیداد بچا لیں! یہ تو ہوا قصہ اس پہلے نکتے کا جو کہ ایڈووکیٹ سراج ڈیسائی نے مسلم جوڈیشل کونسل کی طرف سے کیس واپس لیتے ہوئے اٹھایا تھا!

اب دوسرا نکتہ!

عیسائی عدالتوں میں دوسرے کیس

یہ بات اگر افسوسناک نہیں تو انتہائی مضحکہ خیز ضرور ہے

شیخ ناظم نے کورٹ میں اسلئے ہتھیار پھینک دیئے کیونکہ یہ ایک عیسائی عدالت تھی! مگر جناب شیخ ناظم صاحب! آپ نے خود اپنا کیس عیسائی کورٹ میں اس وقت لڑا جبکہ احمدیوں نے آپ پر ذاتی حیثیت میں اور مسلم جوڈیشل کونسل پر دعوی کیا، آپ نے عیسائی عدالت کا فیصلہ مانا اور خرچہ بھی ادا کیا!

مگر اب! جناب شیخ ناظم صاحب! آپ اپنے دو ساتھی اور خاموش مدعا علیہان کا خرچہ ادا کرنے کو تیار نہیں! کیوں؟

اپنے مسلمان بھائیوں کی یادداشت تازہ کرنے کیلئے ہم یہ بتاتے چلیں کہ آپ نے اور آپکی مسلم جوڈیشل کونسل نے ہائی لیول روڈ (جاوی) مسلم قبرستان کا کیس بھی ایک عیسائی عدالت میں لڑا تھا۔ یہ کیس مسلم جوڈیشل کونسل ہار گئی تھی اور قبرستان والی جائیداد ایک ڈیولپنگ کمپنی کو سترہ لاکھ رانڈ میں بیچ دی گئی تھی! اس وقت کیوں آپ ایک عیسائی کورٹ کے آگے پیش ہوتے تھے اور اس کا فیصلہ مانا اور خرچہ ادا کیا؟ اسلئے شیخ ناظم صاحب اور مسلم جوڈیشل کونسل کو چاہیے کہ مسلمانوں کو بتائیں کہ آپ نے لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کے خرچہ کی ادائیگی کے بارہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اسکا کیا جواز ہے!

احمدی امام اور تاج سرگے کے بارے میں!

علاوہ ازیں بحیثیت خود ساختہ مذہبی رہنما و محافظ دین ہونے کے آپ نے اور مسلم جوڈیشل کونسل نے کیوں ایک احمدی امام کی لندن سے جنوبی افریقہ آمد کے بارے میں اعتراض نہیں کیا جس وقت اس بارہ میں احمدیہ انجمن لاہور، کیپ ٹاؤن کی جانب سے درخواست دی گئی تھی؟

اگر ہم نے (یعنی سخیر حسین اور میرے خاوند اے آر محمد) نے گورنمنٹ کو یہ درخواست نہ دی ہوتی کہ احمدی امام کو ویزا نہ دیا جائے تو احمدیہ موومنٹ، ایتھلون کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ میں اپنا باقاعدہ ہیڈ امام لانے میں کامیاب ہو جاتی!

اس کے علاوہ، ڈاکٹر تاج سرگے، جو اس وقت احمدیوں کے سکریٹری جنرل تھے، نے مسلم جوڈیشل کونسل، اسکے مشائخ اور اسکی سرگرمیوں کے بارہ میں کئی مضامین لکھے مگر مسلم جوڈیشل کونسل نے ان کا کوئی جواب نہ دیا! یہ "مسلم ڈائجسٹ" ڈربن کا ہی کام تھا کہ اس نے ڈاکٹر تاج سرگے کو جواب دے کر خاموش کر دیا!! کیا شیخ ناظم اور انکی مسلم جوڈیشل کونسل اس بات کا انکار کر سکتے ہیں؟

مسلمانوں کی تذلیل!

مندرجہ بالا حالات اور واقعات کو منظر عام پر لانے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شیخ ناظم اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جبکہ مسلم جوڈیشل کونسل کے اپنے مفادات پر زد پڑتی ہے۔۔۔

وگرنہ مسلم جوڈیشل کونسل مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا کر معاملہ کو "مسلم معاملہ" بنادیتی ہے اور بس! مگر ایک بھیڑیا ہمیشہ تو بھیڑ کی کھال نہیں پہن سکتا! جبکہ آپکے وکیل سراج ڈیسائی ایڈووکیٹ نے آپکی طرف سے سپریم کورٹ، کیپ ٹاؤن میں نومبر ۱۹۸۵ میں یقین دھانی کرائی تھی کہ تینوں مدعا علیہان کا خرچہ ادا کیا جائے گا!

تو اب جناب شیخ ناظم صاحب آپ نے صرف مسلم جوڈیشل کونسل کی جائیداد واقع کیسل ایونیو کو ہی کیوں بچایا ہے؟ آپ دوسرے دو خاموش مدعا علیہان کا خرچہ بھی کیوں ادا نہیں کر دیتے؟ بجائے اس کے کہ یہ جائیدادیں نیلام عام کے ذریعہ فروخت ہو جائیں ادائیگی کر دیجئے اور کیپ ٹاؤن اور ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کو مزید تذلیل سے بچالیجیئے!!

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دوسری جمع شدہ رقوم کے علاوہ، صرف سعودی رابطہ کی اسی ہزار ڈالر کی رقم (جو کہ الوقت قریباً دو لاکھ چالیس ہزار رانڈ کے برابر تھی)، ہی تمام خرچہ ادا کرنے کیلئے کافی تھی!

شیخ ناظم صاحب آپ اور آپکی مسلم جوڈیشل کونسل نے جو نقصان پہنچایا ہے وہ بہت زیادہ ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اور بھی اضافہ ہوتا جائیگا۔

آپ کے کورٹ کیس واپس لینے سے یہ ثابت کرنے میں بڑی مدد ملی ہے کہ احمدی مسلمانوں کے خلاف کیس جیت گئے ہیں، اور یہ سب آپ کی مسلم جوڈیشل کونسل کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہوا!

استعفیٰ کا مطالبہ

خدا ہم پر رحم کرے! اگر ہم اپنے وفات شدہ لوگوں کو آرام و سکون مہیا کرنے میں ناکام رہے اور شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل جیسے لوگوں سے پیچھا نہ چھڑا سکے جنہوں نے ہمارے زیر زمین آسودہ وفات شدگان کے سر پر لانگ سٹریٹ مسجد اور وائیکے کرال قبرستان کی نیلامی کی لٹکتی ہوئی تلوار کے ذریعہ بے آرام کرنے کی جسارت کی ہے!

اب جبکہ حقائق سے پردہ ہٹا دیا گیا ہے اے مسلمانوں! ہماری آپ سے گزارش ہے کہ آپ شیخ ناظم اور مسلم جوڈیشل کونسل کے ممبران کے مستعفیٰ ہونے کا مطالبہ کریں۔ کیپ اور جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کو اس مسلسل گڑبڑ اور شرمندگی سے بچانے کا ایک ہی طریق ہے کہ آپ مسلم جوڈیشل کونسل کی نئی لیڈرشپ اور نئی ممبرشپ کا مطالبہ کریں"۔

(مترجم: کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالسلام خان)

تبصرہ

قسط نمبر ۱

(QADIANI PROBLEM AND POSITION OF LAHORI GROUP by Dr. Mahmood A. Ghazi published by Islamic Book Foundation, Faisal Masjid, P.O.Box 1453, Islamabad, 1991.)

یعنی "قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت"۔

ڈاکٹر گوئبلز کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ جھوٹ بولو اور اس کثرت اور تواتر سے بولو کہ عوام اسے سچ ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ اس مقولہ کی سچائی صرف حالت جنگ یا سیاست میں ہی درست ثابت نہیں ہوتی بلکہ مذہبی دنیا میں اور بھی نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ تاریخ انبیاء کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے مخالفین ان کے خلاف اس کثرت اور شد و مد سے جھوٹ بولتے تھے اور طرح طرح کے بے بنیاد الزام لگاتے تھے کہ عوام الناس ان کی کذب بیانیوں کو سچا سمجھنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اپنے سرداروں کے جھانسے میں آ کر خدا کی ان برگزیدہ ہستیوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ کوئی نبی اور رسول مخالفین کے ظلم و تعدی سے کبھی محفوظ نہیں رہا۔ قرآن شریف نے انبیاء کے دشمنوں کی چیرہ دستی کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے :یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ O (۳۶ : ۳۰) ترجمہ : افسوس ان لوگوں پر کہ ہمارا کوئی رسول نہیں گذرا کہ جو ان کی طرف آیا اور اس کا انہوں نے استہزا نہ کیا ہو۔ فخر موجودات رحمت عالم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ جس قدر انبیاء اور رسل مجھ سے پہلے گذرے ہیں ان سب سے زیادہ دکھ اور تکلیف مجھے اپنے اعداء سے پہنچی ہے۔ انبیاء اولاد آدم کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کیلئے مبعوث ہوتے رہے۔ اور اپنی اپنی قوم کو گناہ آلود زندگی سے نکال کر ان کا رشتہ خدا تعالٰے سے قائم کرنے کی حتی المقدور سعی فرماتے رہے۔ مگر فسق و فجور کے دلدادہ قوم کی سربرآوردہ لوگ ان کے بالمقابل سد راہ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ اور مخالفت میں اس قدر شدت اختیار کر جاتے کہ انبیاء کے خلاف قتل کے منصوبے باندھنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ خدا تعالٰے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انبیاء و رسل کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور اسلام کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ضابطہ حیات کی صورت میں عطا کیا گیا اللہ تعالٰے نے قیامت تک کے لیئے پسندیدہ دین قرار دے دیا۔ لیکن امت محمدیہ کی اصلاح اور دین کی حفاظت اور اس کی تجدید کا دروازہ بند نہ کیا۔ ہماری اسلامی تاریخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا گیا اور زمانہ نبوت میں بعد پیدا ہوتا گیا۔ تو امت کی عملی زندگی میں کمزوریاں ظاہر ہونے لگیں۔ زمانہ نبوت میں مسلمان اخلاقی، روحانی اور ایمانی طور پر جس عالی مقام پر دکھائی دیتے تھے تابعین اور تبع تابعین اس مقام پر قائم نہ رہ سکے۔ اور امت میں طرح طرح کے فتنے اور فسادات جنم لینے لگے اور ایمان کی کمزوری اپنے بد اثرات دکھانے لگی۔ قرآن شریف، سنت رسولؐ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت مسلمانوں کے پاس موجود تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ خلافت راشدہ کے دور کا اخلاقی اور روحانی معیار برقرار نہ رکھ سکے۔ باب نبوت بند ہونے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح امت کے متبادل انتظام کا ضرور خیال آیا ہو گا۔ اور حضورؐ نے اللہ تعالٰے کی جناب میں ضرور دعائیں کی ہوں گی جس کے جواب میں اللہ تعالٰے نے آپؐ کو یہ خوش خبری دی اِنَّ اللہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا ترجمہ :- اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر مبعوث فرماتا رہے گا ایک شخص کو جو دین کی تجدید کیا کرے گا۔

چنانچہ اس حدیث شریف کے مطابق گذشتہ چودہ صدیوں میں خدا تعالٰے نے مجددین کو مبعوث فرمایا۔ اور وہ سب کے

سب علیٰ منہاج نبوت دنیا میں آئے۔ اور ان کی مخالفت بھی علماء ظاہر نے اسی شدت سے کی جس شدت سے گذشتہ انبیاء کی ہوتی رہی۔ دنیائے اسلام کا کوئی مصلح، علماء ظاہر اور ملوک کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ تاریخ بڑی طویل بھی ہے اور بڑی روح فرسا اور جانگداز بھی اور ہماری تاریخ کا یہ ایک بڑا ہی دردانگیز المیہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ مصلحین اپنی حین حیات میں مفتری اور کاذب قرار دیے گئے۔ مگر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ تو کچھ عرصہ مزید گزرنے پر آنیوالی نسلوں نے انہیں برگزیدہ اور پاکباز قرار دیدیا۔ اور پھر ان کی مٹی کی بھی پرستش ہونے لگی۔ ان کی قبروں پر عقیدت کے پھول اور چادریں چڑھنی شروع ہو گئیں اور چراغ جلنے شروع ہو گئے۔ میں علماء اور ملوک کی شقاوت قلبی کے ثبوت میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ پر ڈھائے گئے ظلم وستم بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ تاکہ شاید اس سے کسی مخالف حق کی آنکھ کھلے اور وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی ناحق مخالفت سے توبت النصوح کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو لوگوں نے جاہل، بدعتی اور زندیق کا لقب دیا۔ قید خانہ میں انہیں زہر دیا گیا جس سے انکی وفات واقع ہوئی (رسالہ تائید حق مصنفہ مولوی حسن علی)۔ مولانا ابو الکلام مرحوم نے بحوالہ کتاب "مجالس المومنین" صفحہ ۱۳۸ اپنے اخبار "الہلال" میں یوں تحریر کیا:

"یہ خط منصور دانیقی کے ہاتھ پڑگیا اور ابو حنیفہؒ پر وہ خفا ہو گیا اور ان کو ایسی تکلیف دی کہ وہ ان کی وفات کا سبب ہوئی۔" دنیا کو یہ معلوم کر کے نہایت مایوسی ہوئی جب وہ سنینگے کہ اس محب اہل بیت کا اجر امام موصوف کو کیا ملا۔ قاضی نور اللہ شوستری فرماتے ہیں۔ "شاہ اسمٰعیل نے ابو حنیفہ کوفی کی قبر کو جو کہ بغداد میں تھی اکھاڑا اور اس کی ہڈیوں کو جلایا اور ایک کتے کو اس جگہ دفن کیا گیا۔ اور اس جگہ کو اہل بغداد کا پاخانہ بنایا گیا۔" مولوی ابو القاسم صاحب بنارسی نے ایک کتاب موسومہ "الجرح علی ابی حنیفہ" شائع کی ہے۔ اس کتاب سے بعض عبارات کو اباطیل وہابیہ میں نقل کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

"ابو حنیفہ مرجیہ و جہمیہ زندیق تھے اور مرجیہ اسلام سے خارج ہیں۔ لہذا حنفی بھی اسلام سے خارج ہیں۔" ابو حنیفہ نے شرک کی جڑ قائم کی لہذا وہ مشرک ٹھہرے۔ ابو حنیفہ شیطان کا سینگ تھا۔ ابو حنیفہ کا طریق صریح خلاف قرآن ہے۔ ابو حنیفہ باغی تھا۔ بغاوت میں ہی مرگیا۔ ابو حنیفہ کی تاریخ ولادت سگ ہے۔ ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی مسلمانوں میں رذیل اور منحوس نہیں گذرا (اہال نمبر ۲۲ جلد ۳ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ صفحہ ۱۶، ۱۷)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہار دہم جس عظمت و بزرگی کے انسان تھے اسی لحاظ سے ان کی مخالفت بھی بڑی شدت سے ہوئی۔ اور پوری ایک صدی گذر جانے کے باوجود وہ مخالفت بڑے زور شور سے جاری ہے۔ اور علماء ظاہر ان کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر ایم اے غازی آج کل بڑے پیش پیش ہیں۔ دشمنی نے ان کی آنکھوں کو موند لیا اور غور و فکر کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔ اگر ان صاحب نے اس امر کی طرف نگاہ اٹھائی ہوتی کہ نہ کسی جھوٹے شخص کی اسقدر شدت سے مسلسل مخالفت آج تک ہوئی ہے اور نہ کوئی جھوٹا انسان مخالفت کے طوفان میں زیادہ دیر تک ثابت قدم رہ سکا ہے۔ مگر تحریک احمدیت بدستور زندہ و سلامت چلی آ رہی ہے۔ اور اب بفضل ایزدی بین الاقوامی تحریک بن چکی ہے۔ تو ایک دفعہ ضرور علامت استفہام بن جاتے۔ ہمارے مخالفین اس حقیقت کو کیوں دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جو شخص کذب کے طور پر اعلان کرے کہ خدا تعالےٰ اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور وہ کلام بھی دنیا میں شائع کرے تو یہ بات ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کا داہنا ہاتھ نہ پکڑے اور اس کی شاہ رگ نہ کاٹ دے۔ ایسا جھوٹا شخص تو اس جھوٹے دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی ہرگز مہلت پا ہی نہیں سکتا۔ کیا کوئی مخالف

احمدیت عالم تاریخ اسلامی میں سے کسی ایسے شخص کی ایک بھی مثال پیش کر سکتا ہے۔ میں بڑے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ کسی عالم کو ڈھونڈھنے سے ایک مثال بھی نہ مل سکے گی۔ پس حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا صادق مامور من اللہ ہونا تو اس امر سے ہی ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ نے الہامات الٰہیہ شائع کرنے اور خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کا دعویٰ کرنے کے بعد چھبیس سال کی عمر پائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قدم قدم پر اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔

ایم اے غازی نے اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) پاکستان کے متعدد حکومتوں نے جماعت احمدیہ کی انتشار انگیز سرگرمیوں پر قانون سازی کے ذریعے پابندیاں عائد کیں۔

(۲) قادیانی تحریک بنیادی طور پر مذہبی لبادہ میں ایک سیاسی تحریک ہے۔ جو انگریزوں کے سیاسی مقاصد کو استحکام بخشنے کیلئے قائم کی گئی تھی۔

(۳) علامہ اقبال نے پہلی بار اس تحریک کے سیاسی چہرہ کو بے نقاب کیا اور مشورہ دیا کہ پر امن طریقہ سے اس بیماری کا مداوا کیا جائے۔

(۴) علاوہ اور وجوہات کے مسلمانوں میں قادیانیوں کے خلاف بہت بڑی تلخی پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے ختم نبوت کے اصول سے انکار کر دیا۔ ختم نبوت کے عقیدہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ہے اور یہ اسلام کا بنیادی رکن ہے۔

(۵) قادیانی لٹریچر میں ایسی متعدد تحریرات موجود ہیں جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا ایک گونا نبی نہیں تسلیم کرتا وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب "حقیقتہ الوحی" میں صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ اور ان کے مخالفین ایک ہی وقت میں مسلمان نہیں سمجھے جا سکتے۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا بھی یہی موقف تھا۔ اس سلسلہ میں واضح ترین بیان مولوی محمد علی لاہور جماعت کے بانی کا ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ احمدیہ تحریک کا رشتہ اسلام سے وہی ہے جو عیسائیت کا یہودیت سے ہے۔

(۶) انگریزوں کے ہندوستان پر سیاسی اور عسکری تسلط کے ساتھ ہی عیسائی مشنریوں کا جم غفیر بھی آ پہنچا۔ جس کی موجودگی سے مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے اور حالات میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں اور عیسائی واعظوں کے مابین عالمانہ مباحثات کی گرماگرمی پیدا ہو گئی۔ الوقت برصغیر میں مسلمان سیاسی طور پر سخت جھنجھوڑے اور عسکری طور پر سخت شکست خوردہ اور ثقافت و تمدن کے لحاظ سے مکمل طور پر احساس کمتری کا شکار ہو چکے ہوئے تھے۔ ایسے حالات سیاسی اور مذہبی طالع آزماؤں کے منصۂ شہود پر آنے کے لیئے نہایت ہی موزوں ہوتے ہیں۔ اس نازک دور میں قادیانی تحریک نے ایک دور افتادہ قصبے میں برطانوی نوآبادیاتی قوت کی سرپرستی میں ظہور کیا۔ جس کا مقصد امت محمدیہ کی مذہبی سلامتی اور فکری اتحاد کو تباہ کرنا تھا۔

(۷) جب انگریزوں نے عالم اسلام پر قبضہ جمانا چاہا تو اسے دو بنیادی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی مزاحمت تو مسلمانوں کا مذہبی اتحاد تھا۔ یعنی ان کا عالمگیر رشتہ اخوت یا برادری۔ دوسری مزاحمت مسلمانوں کا جذبہ جہاد تھا جو نوآبادیاتی طاقتوں سے مزاحمت کا مستقل ذریعہ بنا رہا۔ جہاد ہی مسلمانان عالم کی سلامتی کا ذریعہ تھا۔ اور انگریز سامراجی ان دونوں امور سے ناواقف نہ تھے۔ چنانچہ ان کے آبادیاتی مفادات مقتضی تھے کہ مسلم دنیا کی جغرافیائی اور فکری ہم آہنگی کو بکھیر دیا جائے اور عقیدہ جہاد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں انگریز نے ضروری سمجھا کہ کسی شخص کو حواریانہ رسول کی صورت میں کھڑا کیا جائے تاکہ عوام اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں۔ ان حالات میں مرزا غلام احمد ظاہر ہوا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جہاد کو

منسوخ قرار دیدیا۔

(۸) مرزا غلام احمد نے مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی اپنے باپ سے ورثہ میں لی تھی۔ ان کے والد مرزا غلام مرتضٰے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل ہو گئے تھے اور سکھوں کی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ بقول مرزا محمود احمد، مرزا غلام مرتضٰے کو ۱۸۴۲ء میں پشاور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیدل فوج کا کمانڈر بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہاں سید احمد اور ان کے اصحاب کے خلاف جنگ کریں۔ ۱۸۴۵ء کی بغاوت میں بھی غلام مرتضٰے کے بھائی نے سکھوں کے دشمنوں کے خلاف بڑی بہادری سے جنگ کی اور ان کو فیصلہ کن شکست دی۔

(۹) مرزا غلام احمد نے برٹش حکومت کی ان خدمات کا ذکر اپنی کتابوں میں متعدد بار کیا ہے۔ جو ان کے خاندان نے سر انجام دیں۔ اور سرکار برطانیہ کو اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اور اس کی بڑی ستائش اور تعریف کی ہے۔ اور اپنے خاندان کو انگریز کا خود کاشتہ پودا قرار دیا ہے۔ اس وفاداری اور توصیف و تعریف سے ایم اے غازی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریز کا ایجنٹ اور بڑا فعال کارندہ تھا۔

(۱۰) مرزا غلام احمد کی ابتدائی تعلیم قادیان میں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی منطق دینی علوم اور رواجی علم طب سیکھا۔ یہی کچھ ان کا تعلیمی سرمایہ تھا۔ اس کے بعد انہیں باقاعدہ اعلٰے تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان کی تحریرات سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ ان کے فکری نظام میں بھی کوئی ربط اور ترتیب نہیں پائی جاتی۔ سیالکوٹ میں معمولی کلرک کی حیثیت سے ملازمت کی۔ جوڈیشل افسری کا امتحان دیا۔ مگر ناکام رہے۔

(۱۱) مرزا صاحب نے پہلے اپنے حسب نسب کو وسطی ایشیاء کے مغلوں سے جوڑا۔ بعد میں الہام کی بنا پر فارسی الاصل کہنا شروع کر دیا اور اس کا مقصد ان کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث اپنے اوپر چسپاں کر سکیں۔ مگر وہ زندگی کے آخری لمحہ تک یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان کا کس خاندان سے تعلق ہے۔ پہلے کہا کہ مغلیہ خاندان سے ہے پھر سادات سے بتایا اور آخر میں اپنے الہام کی بنا پر ایرانی بتایا۔

(۱۲) مرزا صاحب کی شخصیت:- بچپن میں ہی وہ بہت سادگی پسند تھے۔ لاپرواہ اور کم زیرک و عقل تھے اور مستقل طور پر حالت استغراق میں رہتے تھے۔ وہ گھڑی کو چابی بھرنی نہ جانتے تھے۔ جوتوں کے دو جوڑوں کی پہچان نہ رکھتے تھے۔ ایک پتھر کے ڈھیلے اور گڑ کے ڈھیلے میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ بعض اوقات وہ اپنی جیب میں گڑ کی بجائے پتھر رکھ لیتے تھے۔ اور ان کا مزہ چکھتے اور بے معنی ان سے لطف اندوز ہوتے۔ جوانی میں انہیں ہسٹیریا کی بیماری لاحق ہو گئی اور اعصابی دورے پڑنے لگے۔ بعض اوقات ہسٹیریا کے دوروں سے وہ بیہوش ہو جاتے تھے۔ وہ ذیابیطس کے مریض بھی تھے ان دونوں بیماریوں کی تشریح بھی انہوں نے بعد میں اپنے مفاد میں یوں کی کہ ان سے مراد دو زرد چادریں ہیں جو حدیث نبویؐ میں بیان ہوئی ہیں یعنی یہ کہ حضرت عیسٰے مسیح دو زرد چادروں میں ملبوس دوبارہ ظہور فرمائینگے۔

(۱۳) مرزا صاحب کی تحریرات کا مطالعہ طبیعت میں ناخوشگواری اور بوجھ پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ نہ اس میں کوئی علمیت ہے نہ کوئی ادبی چاشنی۔ مسائل پر ان کی تحریر مناظرانہ اور نزاعی رنگ اور طرز تحریر نہایت دقیانوسی ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کے خلاف جی بھر کے دشنام طرازی کرتے ہیں بلکہ گالیاں تک دیتے ہیں۔ بہت سی تحریرات اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئیاں ان پر لعنتوں، ہتک اور توہین سے پٹی پڑی ہیں۔

(۱۴) مرزا صاحب کی عملی زندگی کے چار دور اور دعاوی کی تفصیل۔

(i) دعویٰ نبوت (ii) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہونے کا دعویٰ (iii) جملہ انبیاء سے افضل ہونے کا دعویٰ (iv) مسیح موعود ہونے کا دعویٰ (v) منسوخی جہاد کا دعویٰ۔

غازی صاحب کی کتاب کے ابتدائی صفحات کا لب لباب میں نے چودہ نکات میں بیان کر دیا ہے۔ انہی نکات کی وضاحت اور تفصیل انہوں نے باقی ساری کتاب میں کی ہے۔ اور احمدیہ لٹریچر سے بعض بعض مقامات پر حوالے تحریر کر کے اپنے معاندانہ موقف کا برحق ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تحریک احمدیت پر اصولی گفتگو کرنے کے لیئے میں نے اوپر بیان کردہ نکات کی ترتیب میں تبدیلی کرنی ضروری سمجھی ہے۔ اور سب سے پہلے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ذات پر سلسلہ کلام شروع کرتا ہوں۔

غازی صاحب نے جو نقشہ حضرت مرزا صاحب کی شخصیت کا کھینچا ہے۔ اس میں انہوں نے کھل کر کتمان حق سے کام لیا ہے۔ یہ سیرت نگاری نہیں بلکہ افسانہ نگاری ہے۔ مصنف کو قرآن شریف کے اس حکم کا بھی احساس نہیں ہوا جو بنی اسرائیل کے حوالے سے دیا گیا ہے۔ یعنی وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (۲ : ۴۲)

ترجمہ :- حق کی باطل کے ساتھ تلبیس مت کرو اور نہ حق پوشی کرو۔ مگر غازی صاحب کا مطمع نظریہ ہے کہ جھوٹ بول کر بھی حضرت مرزا صاحب کی کردار کشی کرو۔ یہ عین ثواب کا کام ہے۔ بہرحال ہم اصل حقائق قارئین کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء کو بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ اور آپ کی پیدائش آپ کے خاندان کیلئے بڑی برکتوں کا باعث ہوئی۔ قادیان اور اس کے ارد گرد کے مواضعات مہاراجہ رنجیت سنگھ نے آپ کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کو بحال کر دیئے۔ آپ توام پیدا ہوئے۔ یعنی پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی اور اس کے بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ اور یوں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی پیشگوئی کہ آنیوالا مسیح توام پیدا ہو گا۔ پوری ہوئی (شرح فصوص الحکم، ص ۸۳)۔ آپ کا اسم گرامی مرزا غلام احمد قادیانی اسم بامسمّٰی ثابت ہوا۔ کیونکہ بحساب علم جمل آپ کے عدد تیرہ سو بنتے ہیں۔ اور اس سے اشارہ ملتا تھا کہ تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں جس مبارک وجود نے خلعت مجددیت سے سرفراز ہونا تھا وہ آپ ہی ہیں۔

آپ کا بچپن نہایت پاکیزہ اور معزز نما تھا۔ آپ کے پیدا ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سکھوں کی ظالمانہ، سفاکانہ اور بیجانہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سارا پنجاب انگریز کی عملداری میں آ گیا۔ اور عرصہ دراز کے پسے ہوئے مسلمانوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ انہیں اپنی جان مال اور آبرو کی مکمل حفاظت میسر آئی۔ اپنے دین کے جملہ ارکان پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ملی۔ ان کی تمام مساجد جو سکھوں کے ذاتی استعمال میں تھیں جن میں لاہور کی بادشاہی مسجد بھی تھی انہیں واگذار کر دی گئیں۔ اور طوائف الملوکی کی جگہ عدل و انصاف نے لے لی۔ جب آپ چھ سات سال کے ہوئے تو والد صاحب نے ایک فارسی خواں استاد آپ کی تعلیم کیلئے مقرر کر دیا۔ جس سے آپ نے قرآن شریف اور فارسی کی چند کتب پڑھیں۔ جب دس سال کی عمر کو پہنچے تو ایک عربی خواں مولوی صاحب آپ کی تعلیم و تربیت کیلئے مقرر کیئے گئے جن کا اسم گرامی مولوی فضل الدین صاحب تھا اور سیالکوٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ مولوی صاحب حضرت مرزا صاحب کے رخ تاباں پر نیکی اور پاکیزگی کے آثار دیکھ کر باوجود استاد ہونے کے ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اور جب آپ نے دعویٰ مجددیت کیا۔ تو بلا تامل شہادت دی کہ مرزا صاحب کے حیرت انگیز کرشموں کو دیکھ دیکھ کر اور بصیرت افروز نکات سن سن کر مجھے نظر آتا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑا آدمی ہونیوالا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے ان بزرگ سے صرف و نحو کی کچھ کتابیں پڑھی تھیں۔ اس کے بعد جب سترہ یا اٹھارہ سال کے ہوئے تو والد صاحب نے ایک اور عالم جن کا نام سید گل علی شاہ تھا کو قادیان میں بلوا لیا۔ ان سے آپ نے علم نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ

حاصل کیئے۔ یہ مولوی صاحب کچھ عرصہ بعد قادیان سے واپس بٹالہ چلے گئے۔ تو حضرت مرزا صاحب کو بھی تکمیل تعلیم کے لیئے بٹالہ جانا پڑا۔ جہاں ان کا اپنا عالی شان مکان تھا۔ بٹالہ میں آپ کے دو ہم مکتب قابل ذکر ہیں۔ ایک لالہ بھیم سین تھے اور دوسرے مولوی محمد حسین بٹالوی۔ حضرت مرزا صاحب کی اس زمانہ کی پاکیزہ اور زاہدانہ طرز زندگی اور شریفانہ اور غیور طبیعت اور اخلاق فاضلہ سے لالہ بھیم سین بہت متاثر ہوئے اور جب آپ سیالکوٹ بسلسلہ ملازمت چلے گئے تو لالہ صاحب وہاں وکالت کرتے تھے۔ لالہ صاحب نے قیام سیالکوٹ کے زمانہ میں دوستی اور اتحاد کا کامل نمونہ دکھایا اور آپ کی نہایت عزت اور تکریم کی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بھی اپنے رسالہ اشاعتہ السنہ جلد ۷ میں یہ شہادت حقہ ادا کی:

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب تھے۔ اس زمانہ سے آج تک ہم میں اور ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لیئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ نہ قرار دیے جانے کے لائق ہیں۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت پر کمر ہمت باندھی۔ اس وقت بھی انہوں نے آپ کی قبل از دعوی مسیحیت کی زندگی پر کوئی نکتہ چینی نہ کی۔ بلکہ ان کا حال یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے حضرت مرزا صاحب کا جوتا سیدھا کر کے رکھ دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے آپکو وضو کراتے تھے۔ آپ کی طالب علمی کے زمانہ کے کسی شخص نے آپ کی فہم و فراست اور ذہنی کیفیت اور کسی دماغی اور اعصابی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ خدا جانے ایم اے غازی نے اپنی کہانی کے ماخذ کہاں سے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ بلا شبہ حضرت مرزا صاحب ابتدا ہی سے بڑے سادگی پسند تھے اور عمر بھر سادگی پسند رہے۔ آپ کی عقل اور ذہانت اور ذکاوت تو آپ کی تصنیف "براہین احمدیہ" سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس کے شائع ہوتے ہی مسلم مشاہیر اور علماء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس پر ایک شاندار ریویو لکھا۔ جس میں سے ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے:

"اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ ..یحدث بعد ذالک امرا اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعتہ السنہ جلد ۶ نمبر ۷)

کرزن گزٹ، دہلی کی شہادت

مرزا حیرت دھلوی نے آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل اداریہ لکھا:

"مرحوم کی وہ اعلٰے خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کی ہیں وہ بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھے مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو جچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ (کرزن گزٹ، دہلی، مورخہ یکم جون ۱۹۰۸ء)۔

ب ق ا

شخصیات

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی

بشارت احمد بقا

کتاب " خاتم النبیین " میں چالیس مستند احادیث کو درج کیا گیا ہے جن میں اس امر کا واضح طور پر ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ ان احادیث نبویؐ کے مرتب احسن المناظرین حضرت سید محمد احسن صاحب امروہی علیہ الرحمتہ تھے اور یہ مجموعہ کتابی صورت میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور نے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا تھا۔ حضرت سید صاحب مرحوم نے ہر حدیث پر نہایت ضروری اور مفید حواشی بھی دیے تھے تاکہ قاری کو ہر حدیث کا مفہوم اور مطلب بغیر کسی ابہام کے پوری طرح سمجھ آجائے۔ مولانا مرحوم کون تھے اور علماء زمانہ میں کیا مقام رکھتے تھے قارئین کو انکے حالات زندگی سے روشناس کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا صاحب کا وطن مالوف امروہہ ضلع مراد آباد تھا اور آپ سادات کے ایک عالی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ علم دین کا دریا خود آپکے خاندان میں بہتا تھا۔ آپ نے علم حدیث، علم فقہ، علم منطق اور علم صرف و نحو میں کمال کی مہارت حاصل کی اور آپ کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں ہونے لگا۔ علوم دینیہ کے علاوہ خدا تعالیٰ نے آپکو فراست مومنانہ اور حق شناسی کے جوہر سے بھی نوازا ہوا تھا اور حق گوئی میں اتنے دلیر اور بہادر تھے کہ اپنے دنیاوی عزو وقار کو بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وائسرائے ہند کے باڈی گارڈز میں ملازمت اختیار کرلی۔ جو اعلے روزگار اور دنیاوی عزت کا باعث بنی۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی شہرہ آفاق تصنیف " براہین احمدیہ " جب شائع ہوئی۔ تو انکی ذات جملہ علماء ھند اور مسلمان مشاہیر کی خاص توجہ کا مرکز بن گئی۔ اس کتاب میں حضرت ممدوح نے مجدد الوقت ہونیکا دعوی بھی کیا تھا۔ اور اپنے سینکڑوں الہامات بھی تحریر فرمائے تھے۔ اس کتاب کو خواص و عام کیطرف سے بڑا شرف پذیرائی حاصل ہوا۔ اور بعض علماء نے اس پر بڑی شاندار تقریظات بھی شائع کیں۔ یہ کتاب ۱۸۸۴ء میں منصہ شہود پر آئی۔ ۱۸۸۵ء کے آغاز میں حضرت مرزا صاحب نے بذریعہ اشتہار جو بیس ہزار کی تعداد میں چھپوایا گیا اپنے مجدد وقت ہونے کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔ چونکہ وہ زمانہ اپنے مخصوص حالات کے پیش نظر ایک عظیم مصلح ربانی کے ظہور کا متقاضی تھا۔ اسلیئے علماء دین اور دوسرے درد دل رکھنے والے مسلمین بڑی بیتابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اور جب یہ اعلان ان تک پہنچا۔ تو سب نے دل و جان سے اس کا خیر مقدم کیا اور بہتوں نے اپنے تکمیل ایمان اور فیض روحانی حاصل کرنے کی غرض سے بیعت کی خواہش کی۔ پھر جب حضرت مجدد الوقت کو بیعت لینے کا اذن اللہ تعالےٰ کی طرف ملا اور آپ نے اس امر کی اطلاع شائع کر دی تو آپ سے عقد اخوت باندھنے والے السابقون میں ایک حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی بھی تھے۔

یہ ذکر کرنا بھی قارئین کی دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی کتاب "ادلہ کاملہ" کا جواب حضرت سید احسن امروہی صاحب نے اپنے رسالہ ››مصباح الادلہ لدفع الادلۃ لاذلہ‹‹ میں دیا تو

علماء کی جماعت میں آپکے تبحر علمی کا خوب چرچا ہوا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" جلد ۲ ماہ جون ۱۸۷۹ء میں اسکی بڑی تعریف کی اور یہاں تک لکھا کہ اگر طالبین دین و متبعین سنت سید المرسلینؐ اس رسالہ کو نقد جان دیکر بھی خریدیں تو ارزاں ہے۔ چنانچہ حضرت سید صاحب کی علمی عظمت دیکھ کر نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم آف ریاست بھوپال نے بار بار اصرار کیا کہ وائسرائے کے باڈی گارڈز کی ملازمت چھوڑ کر وہ بھوپال آجائیں۔ تاکہ انکے علوم دینیہ اور خداداد ذہانت و ذکاوت سے خدمت دین بطریق احسن سرانجام پا سکے۔ چنانچہ آپ نے ملازمت سے استعفٰے دیدیا اور بھوپال تشریف لے گئے جہاں وہ مہتمم مصارف ریاست بھوپال مقرر ہوئے۔ حضرت سید صاحب نے نواب صاحب کی تصنیف "حجج الکرامہ" کی تکمیل میں بھی کافی علمی معاونت فرمائی۔

حضرت سید صاحب بڑے اہل قلم عالم دین تھے۔ آپ نے حضرت مرزا صاحب مجدد دوراں کی مریدی میں داخل ہو کر ایک کتاب "اعلام الناس" ۹ ستمبر ۱۸۹۱ء کو شائع فرمائی۔ جو اپنے امام کے آسمانی مشن کی تائید میں تھی۔ پھر ۱۸۹۲ء میں اپنے امام کی فرمائش پر دوسری کتاب "تحذیر المومنین" لکھی جس میں تکفیر بین المسلمین کی سخت مذمت کی گئی تھی اور تکفیر کے دلدادہ علماء کو قرآن و احادیث کے حوالے سے تنبیہ کی تھی کہ وہ اس ناپاک شغل کو فوراً ترک کر دیں تاکہ امت مسلمہ اتحاد و یگانگت کی نعمت سے مالا مال ہو سکے۔ حضرت امام الزمان نے آپکی ان دونوں تصنیفات پر بہت اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضور نے اپنی کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں جو عربی زبان میں حضور نے لکھی تھی حضرت سید صاحب امروہی کے متعلق فرمایا:

"اور ان میں سے بزرگ بھائی عالم، محدث اور جلیل القدر سید محمد احسن ہیں۔ اللہ تعالٰے ہر مقام پر انکے ساتھ ہو اور سب میدانوں میں انکی نصرت کرے۔ وہ ایک متقی اور اسلام کیلئے غیرت رکھنے والا مرد ہے جس نے اپنی تصانیف لطیف کے ذریعہ مخالف علماء کی جہالت کی عمارت کو مسمار کر دیا ہے اور ان کی آگ کو بجھا دیا ہے اور ایک واضح نور لایا ہے اور اس نے فتنوں کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو صاف پانی کے چشمہ سے بجھا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو علوم دینیہ اور آثار نبویہ کا بڑا ذخیرہ دیا ہے اور احادیث کو فن اور انکی تنقید کے سلسلہ اور ان میں بعض کو بعض سے ممتاز کرنے میں عجیب مہارت حاصل کی ہے اور مخالف اسکے سامنے میدان میں آنکھ جھپکنے کے وقفہ کے برابر بھی نہیں ٹھہر سکتا۔۔۔ اور یہ صرف اللہ کی تائید ہے جو ہمیشہ صادقوں کے ساتھ ہوتا ہے اور باوجود ان صفات کے وہ زاہد، متقی اور اللہ کے خوف سے رونے والا ہے اور خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور مسکینوں کی زندگی گذارتا ہے (ص ۶)

پھر حضرت اقدس علیہ اسلام اپنی کتاب "حقیقۃ الوحی" کے صفحہ ۳۳۳ پر فرماتے ہیں:

"نشان ۱۴۸ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں نعمت اللہ ولی کا وہ قصیدہ دیکھ رہا تھا جس میں اس نے میرے آنے کی بطور پیشگوئی خبر دی ہے اور میرا نام بھی لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ تیرھویں صدی کے آخر میں وہ مسیح موعود ظاہر ہو گا اور میری نسبت یہ شعر لکھا:-

مہدی وقت و عیسٰی دوراں
ہر دوار شہوار می بینم

یعنی وہ آنیوالا مہدی بھی ہو گا اور عیسیٰ بھی ہو گا دونوں

ناموں کا مصداق ہو گا اور دونوں طور سے دعویٰ کریگا۔ پس اس اثنا میں کہ میں یہ شعر پڑھ رہا تھا عین پڑھنے کے وقت مجھے یہ الہام ہوا۔

از پئے آں محمد احسن را
تارک روزگار می بینم

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ مولوی محمد احسن امروہی اسی غرض کیلئے اپنی نوکری سے جو ریاست بھوپال میں تھی علیحدہ ہو گئے تا خدا کے مسیح کے پاس حاضر ہوں اور اسکے دعویٰ کی تائید کیلئے خدمت بجا لاوے۔ اور یہ ایک پیشگوئی تھی جو بعد میں نہایت صفائی سے ظہور میں آئی۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے کمربستہ ہو کر میرے دعویٰ کی تائید میں بہت سی کتابیں تالیف کیں اور لوگوں سے مباحثات کئے اور اب تک اسی کام میں مشغول ہیں۔ خدا انکے کام میں برکت دے اور اس خدمت کا انکو اجر بخشے۔ آمین۔"

جب حضرت مولانا امروہی ریاست بھوپال کی ملازمت چھوڑ کر قادیان میں سکونت پذیر ہو گئے۔ تو آپ امام الصلوۃ اور خطیب کے فرائض ادا کرنے لگے۔ اور حضرت امام الزماں انکی اقتدا میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ چونکہ آپکو فقہی مسائل میں ید طولیٰ حاصل تھا اور حضرت امام الزماں انکی قابلیت کے معترف تھے۔ اسلیئے حضور نے آپ کو افتا کا شعبہ بھی تفویض فرما دیا اور حضور خود بھی آپ سے اکثر مسائل کا حکم دریافت فرماتے۔

حضرت مولانا امروہی نے لاتعداد مضامین لکھے اور تیس کتب تصنیف کیں جن کا بیشتر حصہ سلسلہ احمدیہ کی حقانیت ثابت کرنے اور مخالفین کے الزامات اور اعتراضات کے رد پر مشتمل تھا۔ اور کچھ کتب آپ نے سلسلہ میں اختلافات پیدا ہونے کے بعد تصنیف فرمائیں۔ ان اختلافات کے اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ جب حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمۃ کا انتقال ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو ہو گیا۔ تو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب انکے جانشین منتخب ہو گئے۔ اس منصب کیلئے حضرت مولانا محمد احسن امروہی صاحب نے ان کا نام تجویز کیا۔ چونکہ اس موقع پر انصار اللہ پارٹی سے تعلق رکھنے والے احباب بھاری اکثریت میں موجود تھے اور وہ حضرت حکیم الامت کی نازک حالت کے پیش نظر پہلے ہی قادیان بلائے ہوتے تھے اسلیئے مرزا محمود احمد صاحب کے انتخاب میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی غالباً حضرت مولانا امروہی صاحب کو مرزا محمود احمد صاحب کے اس عقیدہ کا علم نہ تھا کہ مسلمان وہ ہے جو تمام ماموروں کو مانے۔ جس سے انکی مراد یہ تھی کہ جو مسلمان حضرت مرزا صاحب کو مامور من اللہ اور مسیح موعود نہیں مانتے وہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم نے ایک رسالہ "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کے عنوان سے دسمبر ۱۹۱۴ء میں شائع فرمایا اور اس میں علاوہ اور امور کے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اصل منصب اور دعویٰ پر بھی اپنے خیالات کا کھل کر اظہار فرمایا۔ اس رسالہ کے جواب میں مرزا محمود احمد صاحب نے ایک رسالہ "القول الفصل" اس ادعا کے ساتھ ۳۰ جنوری ۱۹۱۴ء کو شائع کیا کہ یہ رسالہ صرف ایک دن میں تالیف کیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کو سورہ صف کی آیت نمبر ۶ میں وارد اسمہ احمد کی پیشگوئی کا مصداق حقیقی قرار دیا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ "تریاق القلوب" کی اشاعت تک جو ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۲ میں ہوئی حضرت مسیح موعود کا عقیدہ یہی تھا کہ آپکو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت حاصل ہے اور یہ کہ آپکو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت ہے۔ لیکن بعد میں --- آپکو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیحؑ

سے افضل ہیں اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں۔ ہاں ایسے نبی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبوت ملی۔ پس ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہو سکتا" (القول الفصل، ص ۲۴)

حضرت مولانا امروہی بوجہ ضعف پیری اور فالج کے عارضہ ہونے کے باعث اپنے وطن مالوف امروہہ میں تشریف لے جا چکے تھے انہیں "القول الفصل" امروہہ میں ملی۔ اور اسکے مطالعہ سے انہیں اختلاف عقائد پر کچھ آگاہی ہوئی۔ آپ مرزا محمود احمد صاحب کے مبائع تھے۔ مگر آپ نے اپنی ضمیر کی آواز کو خلیفہ کی اطاعت پر مقدم جانا اور باوجود بیماری کے ایک کتاب القول المجد فی تفسیر اسمہ احمد کے نام سے ۴ جنوری ۱۹۱۶ء کو مکمل کی اور دلی پرنٹنگ ورکس، دھلی سے ماہ جون میں طبع کرا کر شائع فرمائی۔ یہ کتاب کیا تھی علم دین کا ایک بحرذخار تھا۔ حضرت مولانا نے اسمہ احمد کی پیشگوئی کا حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن و حدیث اور علماء ربانی اور مفسرین کے اقوال کی رو سے ثابت کیا۔ اور ایسے دلائل و براہین دیئے کہ خود مرزا محمود احمد صاحب اور انکی پیدا کردہ علماء کی جماعت کے قلم توڑ کے رکھ دیے اور سب کی زبانی گنگ کر دیں اور میاں صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھنا پڑا۔" جناب کا دوسرا خط جو حضرت مسیح موعود کے درجہ کے متعلق تھا اس نے کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں رکھی کیونکہ اس سے آپ کے اور میرے مقامات (یعنی اختلافات) بالکل تبدیل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ظلی اور بروزی نبوت کے ہم دونوں قائل ہیں۔ اسمہ احمد تو ایک پیشگوئی ہے اور تعیین اخبار غیبیہ میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔ اسے میں اتنی عظمت نہیں دیتا۔" میاں صاحب نے "القول الفصل" کے بعد اپنی تقاریر کے مجموعہ "انوار خلافت" میں اسمہ احمد کی پیشگوئی کا مصداق بڑی تحدی سے حضرت مرزا صاحب کو قرار دیا تھا۔ یہ تقاریر انہوں نے جلسہ سالانہ ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء کے موقع پر کی تھیں۔ یہ کتاب حضرت مولانا صاحب کو ۱۵ نومبر ۱۹۱۶ء کو دستیاب ہوئی۔ آپ بیماری اور ضعیفی کے باوجود قادیان کی بجائے سیدھے احمدیہ بلڈنگس، لاہور تشریف لائے اور جماعت لاہور کے احباب کے ہاں قیام فرمایا اور "انوار خلافت" کی تقاریر کا جواب اپنی کتاب "اظہار النصائح فی رد الخزیات والفضائح" میں دیا۔ یہ کتاب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور نے دسمبر ۱۹۱۶ء کو شائع کی۔ اور میاں محمود احمد صاحب کے دلائل کا تانا بانا بکھیر کے رکھ دیا۔ ادھر لاہور میں حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے جون ۱۹۱۴ء کو ایک کتابچہ "اسمہ احمد" کے عنوان سے شائع فرمایا بعض دوسرے اہل علم حضرات نے بھی اس مضمون پر خامہ فرسائی کی۔ حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ نے بھی ایک رسالہ بنام "احمد مجتبے" دسمبر ۱۹۱۷ء میں شائع کیا۔

مرزا محمود احمد صاحب تین عقیدے اپنا چکے تھے اور وہ یہ تھے۔ (۱) حضرت مسیح موعود حقیقی نبی تھے۔ (۲) اسمہ احمد کی پیشگوئی جو سورہ صف کی آیت نمبر۶ میں بیان ہوئی ہے کے اصل مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود تھے۔ (۳) وہ تمام مسلمان جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی اور وہ بھی جنہوں نے آپ کا نام بھی نہیں سنا کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی نے ایک مباحثہ نواب صاحب ریاست رامپور کی خواہش اور فرمائش پر جون ۱۹۰۹ء میں مخالف علماء سے کرنا منظور فرمایا۔ یہ مباحثہ دراصل حضرت سید صاحب موصوف اور مولوی احمد حسن صاحب امروہی

صدر مدارس، دار العلوم امروھہ کے مابین ہونا قرار پایا تھا۔ یہ مولوی صاحب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے شاگرد خاص تھے۔ حضرت سید صاحب قادیان سے ہمراہ سید سرور شاہ صاحب، مولانا مبارک علی اور حافظ روشن علی صاحبان تاریخ مقررہ پر رام پور پہنچ گئے۔ اور جب مباحثہ شروع ہوا تو انہیں یہ دیکھ کر سخت مایوسی اور حیرت ہوئی کہ مولوی احمد حسن صاحب نے کنی کترا کر اپنی جگہ مولوی ثناء اللہ امر تسری کو جو عالم اور مناظر کم مگر پھبتی باز زیادہ تھا کھڑا کر دیا ہے اس کی پوری روئداد پیش کرنا اس تعارف نامہ میں ہماری غرض نہیں۔ بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت سید صاحب نے اپنے دوسرے پرچے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے صادق امور من اللہ ہونے کے جو دلائل قرآن و احادیث اور علماء ربانی کی تحریرات سے پیش فرمائے۔ انکے رد میں مولوی ثناءاللہ امرتسری نے مجمع باز لوگوں کا وطیرہ اختیار کیا اور بجائے ان دلائل کی تردید از روئے قرآن و حدیث کرنے کے پھبتیوں اور سوقیانہ قسم کی بیت بازی سے اپنے ہم خیال حاضرین مجلس کا دل خوش کر دیا۔ حضرت سید احسن امروہی نے اپنے دونوں پرچے تحریر شدہ اور اپنے دستخطوں سے مخالف مناظر کے حوالے کئے۔ مگر اس نے اپنے جوابی پرچے باوجود نواب صاحب کی ہدایت کے مولانا امروہی کو نہ دیئے۔ بہر حال حضرت سید صاحب نے حاضرین پر واضح کر دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ ایسے ہی جزوی اور مجازی نبی تھے جیسے گذشتہ مجددین و محدثین تھے۔ اور یہ جزوی اور مجازی نبوت دراصل وحی اور الہام سے عبارت ہے جو باتباع نبوت کلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بزرگان دین حقہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جو **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ موقف اور مسلک حضرت مولانا امروہی صاحب نے اپنے امام صادق حضرت مرزا صاحب کے مذہب کے عین مطابق بیان فرمایا تھا۔ چونکہ حضرت مولانا صاحب مرزا بشیر الدین محمود احمد کی خلافت کی بیعت کر چکے تھے۔ اور مرزا محمود احمد صاحب حضرت مرزا صاحب کو بجائے جزوی، مجازی ظلی اور بروزی نبی کے حقیقی نبی کے طور پر پیش کر رہے تھے اسلیئے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ، امیر جماعت احمد، لاہور جہاں دوسرے علماء قادیان کے ۱۹۱۴ء سے پہلے کے بیانات پیش کر کے ثابت کر رہے تھے کہ انہوں نے مرزا محمود احمد کی بیعت کرتے ہی ان سابقہ عقائد کو تبدیل کر لیا ہے۔ وہاں حضرت مولانا سید احسن امروہی کو بھی مباحثہ رامپور کی یاد دلائی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مرزا محمود احمد صاحب کے ایک مرید خاص ظہور الدین اکمل نے حضرت سید امروہی صاحب کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمتہ اللہ

دیر ہوئی کوئی نوازش نامہ تلطفہ شمامہ جناب کا خاکسار کو نہیں ملا۔ چونکہ مولوی محمد علی نے "القول الفصل" کی غلطی کے اظہار میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں (نبوت میں) مولانا احسن بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اب کیوں خاموش ہیں۔ اسلیئے میں نے مباحثہ رامپور کو پھر سے پڑھا۔ فی الواقعہ اس میں آپ نے حضرت مسیح موعود کی جزوی نبوت پر زور دیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ آپ کی یہ مراد نہیں کہ اس میں تمام نبوت کی شان نہیں پائی جاتی۔ بلکہ صاحب شریعت نبی کے مقابل میں لفظ بولا گیا ہے۔ یعنی اس اعتبار سے جزوی کہ اس میں شریعت نہیں۔ مگر یہ ایک شبہ اور قوی ہے۔ صفحہ ۷۰ بحث نبوۃ مباحثہ رامپور:

"بعینہ اسی طرح پر نبین بھی ہوئے اور ہوتے رہینگے۔ چنانچہ اس امت محمدیہ میں جو خیر الامم ہے ایسے افراد ملہمین کے بکثرت ہوئے۔" آپ کی اس عبارت سے واضح ہے کہ آپ مسیح موعود کے سواتے اور اولیاء امت محمدیہ کو بھی نبی کے خطاب کا مستحق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت اقدس نے حقیقتہ الوحی ص ۳۹۰-۳۹۱ میں صاف لکھا ہے کہ کوئی اس نام پانے کا مستحق نہیں۔ آپ نے اسکی وجہ عدم ضرورت صفحہ ۶۹ پر لکھی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ وہ اس درجہ پر پہنچے ہی نہیں صرف ایک مسیح موعود ہی درجہ نبوت پر فائز ہوا۔ باقی بوجہ کمالات و انعامات نبوۃ پانے کے مجازی یا جزوی نبی کہلا سکتے ہیں۔ لیکن مسیح موعود جزوی نبی نہیں تھے۔ پہلے پہلے "توضیح مرام" سے نیز ۱۹۰۱ء تک آپ اپنے الہامات کی تاویل کرتے رہے اور اپنی نبوت کو جزوی نبوت قرار دیتے رہے۔ یعنی محدثیت مگر پھر "ایک غلطی کے ازالہ" میں آپ نے لکھا کہ میں اپنا نام محدث کس طرح رکھوں کہ اس کے معنوں میں اظہار علی الغیب کی طرف اشارہ نہیں ہوتا اور "حقیقتہ الوحی" میں دعویٰ کیا ہے کہ مسیح ناصری سے مجھے کلی فضیلت ہے۔ جو ایک غیر نبی کو نبی پر نہیں ہو سکتی۔ ہاں پہلے آپ اپنے آپکو جزوی نبی سمجھ کر مسیح ابن مریم پر جزوی فضیلت دیتے۔ مگر پھر کامل نبی سمجھ کر کلی فضیلت دیتے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ کی نبوت بوجہ فیضان و متابعت آنحضرت صلعم بغیر شریعت کے تھی۔ جزوی نبی جیسے پہلے اولیاء امت ہوئے ہیں ماننے سے مسئلہ کفر پر اثر پڑتا ہے کیونکہ کافر تو نبی کا منکر ہوتا ہے نہ کہ ولی کا۔ مباحثہ رام پور میں محمد علی کے مذہب کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس اشکال کو دفع فرمائیں اور اپنے عقیدہ میں تغیر اور اس کے متعلق ایک مختصر سی تحریر تاکہ لوگوں کا وہم دور ہو کہ مولانا فاضل احسن سلمہ کا کچھ اور مذہب ہے۔ اکمل عفی عنہ"

اس مکتوب پر فروری ۱۹۱۵ء کی مہر ڈاکخانہ ثبت ہے۔

حضرت مولانا امروہی نے اکمل صاحب کے خط کا غالباً کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ مرزا محمود احمد کے "القول الفصل" کے دستیاب ہونے پر "القول العجد فی تفسیر اسمہ احمد" جنوری ۱۹۱۶ء میں شائع فرمائی۔ اس کتاب میں مرزا محمود احمد صاحب کے تینوں عقائد فاسدہ کی تردید موجود ہے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا میاں صاحب کی تقریروں کا مجموعہ "انوار خلافت" ملنے پر "اظہار النصائح فی رد المنخریات والفضائح" کتاب لکھی اور اپنے تمام سابقہ عقائد کا اعادہ فرمایا۔ مگر مولانا احسن جن کو مسیح دوران نے دو میں کا ایک فرشتہ قرار دیا تھا نے باوجود گوناگوں معذوریوں کے خلیفہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اعلان کر دیا کہ چونکہ میں نے مرزا محمود احمد صاحب کو خلافت کیلئے تجویز کیا تھا۔ اسلیئے میں ہی اب انکے عقائدہ باطلہ کے باعث عہدہ خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ خلیفہ قادیان نے پیشگوئی اسمہ احمد کے بارے میں سکوت اختیار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے اس باطل عقیدہ سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ مگر باقی دو عقیدوں پر برابر جمے رہے۔ سید سرور شاہ اور حافظ روشن صاحبان مباحثہ رام پور میں حضرت مولانا امروہی کے معاون تھے۔ انہوں نے ساری عمر مباحثہ رامپور میں حضرت مسیح موعود کی پیش کردہ پوزیشن کے بارے میں حضرت مولانا صاحب کے مسلک کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ حضرت مسیح موعود کو ۱۹۰۹ء میں جزوی یا مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی سمجھتے تھے۔ اور حضرت مولانا احسن صاحب کے موقف کو غلط اور خلاف حقیقت جانتے تھے۔ اکمل صاحب نے اپنے مکتوب میں حضرت مسیح موعود کے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" کے حوالہ سے لکھا تھا۔ "نیز ۱۹۰۱ء تک آپ اپنے الہامات کی تاویل کرتے رہے اور اپنی نبوت کو جزوی نبوت قرار دیتے رہے

یعنی محدثیت۔ مگر پھر "ایک غلطی کے ازالہ" میں آپ نے لکھا کہ میں اپنا نام محدث کسطرح رکھوں" وغیرہ وغیرہ۔ مگر اکمل صاحب کو شائد معلوم نہیں تھا کہ حضرت مولانا امروہی نے حضرت مسیح موعود کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق "ایک غلطی کے ازالہ" کے حوالہ سے حافظ محمد یوسف صاحب کے اعتراض کہ "اب تو جناب مرزا صاحب نے اپنی نبوت کا صاف اعلان کر دیا ہے" کا بڑا کافی و شافی جواب دیا۔ کہ اس رسالہ میں ہرگز کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہی دعویٰ ہے جس کا حضرت اقدس اپنی تحریرات میں اعادہ کر چکے ہیں۔ مولانا صاحب کے اس مفصل جواب سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں حضرت مسیح موعود نے اپنی کسی غلطی کا ازالہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے ایک ایسے مرید کی غلطی کا ازالہ کیا تھا۔ جس نے حضرت اقدس کی تصانیف کو نہ پڑھا ہوا تھا اور نہ ہی آپ کی مجالس میں اسے بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ۱۹۱۴ء کے ابتدائی زمانہ تک کسی احمدی عالم نے اس رسالہ کے حوالہ سے کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے جزوی یا مجازی نبی ہونے سے انکار کر دیا ہے اور نبوت کلی کا نیا دعویٰ کر دیا ہے۔ یہ ساری ایجاد اور تبدیلی ان کے اندر حضرت مولانا نور الدین صاحب خلیفہ اول کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوئی۔ حضرت مولانا امروہی تمام احمدی علماء میں منفرد مقام رکھتے تھے اور تمام مشکل دینی مسائل میں ان کا ہی فتویٰ چلتا تھا۔

حضرت مولانا امروہی صاحب نے مرزا محمود احمد صاحب کی بیعت خلافت فسخ کرنے کے بعد اپنا رشتہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور سے جوڑ لیا اور کچھ رسائل بھی اختلافی امور پر شائع فرمائے۔ لیکن آپ نے خلیفہ صاحب اور ان کے مبالعین پر آخری اتمام حجت کی خاطر کتب احادیث سے چہل احادیث کو جمع فرمایا جو سب کی سب ختم نبوت کے متعلق تھیں۔ اور عوام پر روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ نبوت اور رسالت جو حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی تھی پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔ اور اب آنحضرت صلعم کی نبوت کا دور قیامت تک ممتد ہے۔ اور آپکے بعد کوئی نبی اور رسول قیامت تک نہیں آسکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ اور وحی نبوت پیرایہ جبریل علیہ السلام پر بھی ہمیشہ کیلئے مہر لگ چکی ہے۔ ان چالیس احادیث کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور نے "خاتم النبیین" کے نام سے شائع کیا۔ حضرت مولانا امروہی بہت معمر ہو چکے تھے اور فالج کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عملی زندگی سے معذور ہو چکے تھے۔ آپ نے ۱۸ جولائی ۱۹۲۶ء کو دنیا میں بڑی کامیاب زندگی گذار کر اور دین کی بلند پایہ خدمات سرانجام دیکر رحلت فرمائی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

مرحوم اپنے پیچھے علم دین کا جو بیش بہا خزانہ چھوڑ گئے تھے۔ اسکو ہم نے جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور اب ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپکی تصانیف اور مضامین کو افادہ عام کے لیئے جزواً جزواً شائع کر دیا جائے۔